

مقدمہ بہاول پور



— محفل ارشاد یہ سیالکوٹ —

اشاعت : جون ۱۹۷۳ء

تعداد : ایک ہزار

قیمت : پچاس روپے - / ۷۵

58980

اہتمام

سید اختر حسین سرمنڈی
محفل ارشاد و بیسیالکوٹ

(جسارت پونٹو - لاہور)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ -

انتساب

میں اس اشاعت کو حضرت امام ربانی قیوم دورانی قطب زمانی
مجدد الف ثانی الشیخ احمد سرسندی الفاروقی قدس سرہ السبحانی کے
نام نامی سے منسوب کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں اور حسد اوند
رب العزت کی بارگاہ اقدس میں نہایت عجز و انکسار کے ساتھ دست بردعا
ہوں کہ وہ مالک حقیقی اپنے حبیب کے صدقے اور حضرت مجدد علیہ الرحمۃ
کے فیض کی برکت سے جو کہ بزرگوارم حضرت حافظ سید ارشاد حسین سرسندی
رحمۃ اللہ علیہ کے توسط سے ہم تک پہنچا ہے ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ
ہم جیسے نااہل حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی اس سنت کو زندہ کر سکیں جس

کے لئے آپ اس دنیا میں تشریف لائے اور کفر و الحاد، شرک و بدعت جیسی
باطل قوتوں سے ٹکرا کر انہیں ریزہ ریزہ کر کے حق و صداقت کی روشنی
سے دنیا کے کونے کونے کو منور کر دیا۔

خاک پائے سگانِ مجددِ الفانی
سید اختر حسین مسزیدی

★

ہندوستان کی سرزمین پر بے شمار مذاہب بستے ہیں، اسلام دینی حیثیت سے ان تمام مذاہب کی نسبت زیادہ گہرا ہے کیونکہ ان مذاہب کی بنا کچھ حد تک مذہبی ہے اور ایک حد تک نسلی۔ اسلام نسلی تخیل کی سراسر نفی کرتا ہے اور اپنی بنیاد محض مذہبی تخیل پر رکھتا ہے اور چونکہ اس کی بنیاد صحت دینی ہے اس لئے وہ سراپا روحانیت ہے اور خونی رشتوں سے کہیں زیادہ لطیف بھی ہے۔ اسی لئے مسلمان ان تحریکوں کے معاملہ میں زیادہ حساس ہے جو اس کی وحدت کے لئے خطرناک ہیں۔ چنانچہ یہ ایسی مذہبی جماعت جو تاریخی طور پر اسلام سے وابستہ ہو لیکن اپنی بنا، نسلی نبوت پر رکھے اور بزعم خود اپنے العمامات پر

۵

اعتقاد نہ رکھنے والے تمام مسلمانوں کو کا فر سمجھے، مسلمان اسے اسلام کی وحدت
کے لئے ایک خطرہ تصور کرے گا اور یہ اس لئے کہ اسلامی وحدت ختم نبوت
سے ہی استوار ہوتی ہے۔

اقبال

علماء اور اکابرینِ ملت

کی طرف سے

اس فیصلے کا خیر مقدم

چودھویں صدی کے آغاز میں جب مرزائے قادیان نے نبوت کا دعویٰ کیا تو مشرق اور مغرب کے علماء نے اس کے کفر اور ارتداد کا فتویٰ دیا۔ اس سلسلہ میں تیسچ بیسٹیس سال قبل یہ مسئلہ بہاولپور کی عدالت میں پیش ہوا جس پر حضرت مولانا انور شاہ صاحب سابق صدر المدرس دارالعلوم دیوبند اور دیگر اکابر علماء ہند نے اس سلسلہ میں اپنے بیانات عدالت میں پیش کر کے جس میں مرزائے قادیان کے وجوہ کفر کو بیان کیا جن کا حاصل یہ تھا کہ مرزائے قادیان اگر بالفرض والتقدیر نبوت کا دعویٰ نہ بھی کرتا تب بھی قطعاً وہ دائرہ اسلام سے خارج تھا۔

فاضل محترم جسٹس محمد اکبر صاحب (بہاولپور) نور اللہ مرقدہ نے نہایت عاقلانہ عادلانہ اور دانشمندانہ فیصلہ صادر فرمایا کہ مدعی نبوت

اور اس کے پیروکار قطعاً دائرہ اسلام سے خارج ہیں اور یہ مسلمانوں میں
 شرعی طور پر کوئی ازواجی تعلق قائم نہیں کر سکتے۔ مجددہ تعالیٰ فاضل حج کا
 یہ فیصلہ قانون شریعت کے بھی مطابق تھا اور قانون حکومت کے بھی مطابق
 تھا جو شرعی اور قانونی حیثیت سے اس درجہ مستحکم اور مضبوط تھا کہ آئندہ
 کسی کو بھی یہ جرأت نہ ہوئی کہ اس محکم فیصلہ پر کوئی نقد اور تبصرہ کر سکے یا
 کسی بالائی عدالت میں اس کی اپیل کر سکے اس لیے کہ وہ فیصلہ اس
 درجہ محکم اور قولِ فیصل اور اٹل تھا کہ اس میں انگلی رکھنے کی گنجائش
 نہ تھی۔

محمد ادریس کاندھلوی

مجھے یہ معلوم کر کے بڑی مسرت ہوئی ہے کہ جناب محمد اکبر خاں صاحب
 بی اے ایل ایل بی ڈسٹرکٹ جج بہاولپور کا مشہور و معروف فیصلہ جس میں قادیان
 کو کافر اور خارج از دائرہ اسلام قرار دیا گیا تھا دوبارہ اشاعت پذیر
 ہو رہا ہے۔

یہ ایک واشگاف حقیقت ہے جس پر امت مسلمہ کا اجماع ہے کہ جو
 شخص سیدنا محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد منصب نبوت پر فائز ہونے کا
 مدعی ہو اور جو اس دعوے کو تسلیم کرے وہ دونوں بلاشک شبہ اعلیٰ اسلام
 کے باوجود کافر و مرتد ہیں اس لئے یہ ضروری ہے کہ اس مسئلے کے دینی و
 علمی پہلوؤں کو برابر واضح کیا جاتا رہے۔ عدالت بہاولپور کا یہ فیصلہ اس
 لحاظ سے بڑی اہمیت و افادیت کا حامل ہے۔ یہ ارتداد و زوج کی بنا پر

فسخ نکاح کے ایک استغاثے کا تصفیہ تھا جو تقریباً تین سال زیرِ سماعت
 رہا۔ اس میں مسلمانوں اور قادیانیوں کی جانب سے اپنے اپنے موقف کو پورے
 دلائل و شواہد کے ساتھ پیش کیا گیا۔ ان کے مشاہیر علماء و فضلاء بطور گواہ
 پیش ہوئے اور فاضل حج نے پوری تحقیق و تدقیق کے بعد یہ فیصلہ صادر فرمایا
 کہ قادیانی اپنے عقائد و اعمال کی بنا پر مسلمان نہیں بلکہ کافر ہیں یہ قیمتی دستاویز
 طبع ہونے کے بعد ایک عرصہ دراز سے نایاب تھی میری دعا ہے کہ یہ سنی مسلمان
 اور قادیانی سب کے لیے باعثِ رشد و ہدایت ثابت ہو۔ آمین

ابوالاعلیٰ مودودی

۱۰۵۔ ذیلدار پارک، اچھرہ

اس فیصلہ نے مسلمانوں کو قادیانیت کے عزائم و عقائد سے نہ صرف آگاہ کیا ہے بلکہ مرزائیت اپنے حقیقی خط و خال سمیت آشکار ہوئی ہے۔ یہ فیصلہ بر عظیم کے مسلمانوں کی ذہنی سرگذشت میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ اور جب کبھی پاکستان کے قوانین کی شکل اسلامی ہوگی اس فیصلہ کا بہت زیادہ احترام کیا جائے گا بلکہ یہ فیصلہ مشعلِ راہ ہوگا۔ ملتِ اسلامیہ جسٹس محمد اکبر خاں مرحوم (بہاولپور) کے اس فیصلہ کی شکر گزار رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی بالبال مغفرت کریں اور کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائیں۔

شورش کاشمیری

یہ معرکہ آرا فیصلہ محمد اکبر خاں کا تخریر کردہ ہے۔ اس فیصلہ میں حج صا^ح
مرحوم نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ مرزائیت کے خارج از اسلام ہونے
کے دلائل و راج کیے ہیں اور مرزائی لٹریچر سے ان کے کفر و ارتداد کا ثبوت
بہم پہنچایا ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ فیصلہ مرزائیت کے موضوع پر لکھی
گئی کئی ایک کتب پر بھاری ہے۔

احسان الہی ظہیر

تکمیل دین اور ختم نبوت مترادف حقائق ہیں اور اسلام کی ابدیت اور تکمیل کا مدار انہی دو اصولوں پر ہے مبارک ہیں وہ لوگ جنہوں نے اسلام کے اس بنیادی مسئلہ کے تحفظ کے لیے مختلف ذرائع سے حسبِ مقدور خدمات انجام دیں۔ اس سلسلہ میں جناب محمد اکبر صاحب رحمۃ اللہ علیہ وشرکت حج بہاولپور کا تاریخی فیصلہ اپنی نوعیت کا منفرد اقدام ہے۔ مرحوم و منفقور اپنی جراتِ ایمانی سے اپنی نجات کا سامان کر گئے۔ اور تا ابد امتِ مسلمہ کے لیے ایسی شمعِ فروزاں چھوڑ گئے جو انشاء اللہ العزیز رہتی دنیا تک حق و صداقت کی روشنی پھیلاتی رہے گی ضرورت ہے کہ اس تاریخی فیصلہ کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی جائے۔

سید فیض الحسن

ختم نبوت کا مسئلہ ضروریاتِ دین سے ہے افسوس ہے کہ ایسے مسئلہ کو لوگوں نے اخلاقی مسئلہ قرار دے کر اس میں بحث و تمجیص شروع کر دی جس سے گمراہی کا دروازہ کھل گیا اور فتنہ ازداد زور پکڑ گیا۔ اس ماحول میں اہل علم کی خدمات یقیناً قابلِ قدر ہیں لیکن محترم جج اکبر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کارنامہ اس سلسلہ میں بے حد قابلِ ستائش ہے اور اسلامی تاریخ میں آپ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

سید احمد سعید کاظمی

فیصلہ مقدمہ بہاولپور مسلمانوں کے لیے روشنی کا بینا رہے عقیدہ ختم نبوت
اسلام کا بنیادی تصور ہے اور بے شک جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ
وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔
ملتِ اسلامیہ کو اس فتنہ عظیمہ سے بچانا اسلام کی عظیم خدمت ہے۔

سید محمود احمد رضوی

فیصلہ مقدمہ بہاولپور عہدِ صادق کا اہم ترین واقعہ ہے اس مقدمہ کی پیروی سید انور شاہ صاحب حضرت مولانا غلام محمد گھوٹوی اور سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری جیسے نامور علماء نے کی۔ ان کی فقید المثال توجہ اور تاریخ ساز کوششوں نے قادیانیت کے سومات کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ یہ فیصلہ جسٹس محمد اکبر کے مثالی انہماک غیر معمولی استعداد اور قابلِ تحسین استقامت کا نتیجہ ہے۔ اس فیصلہ سے قادیانیت کی گمراہ کن حیثیت ہمیشہ کے لیے آشکار ہو گئی ہے۔

بریکینگ نیوز ڈیزبر علی شاہ

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبى
 بعده . . . حج محمد اکبر نور اللہ مرقدہ کی عدالت میں فسخ نکاح کا مقدمہ
 دائر ہوا جس میں یہ فیصلہ کرنا تھا کہ قادیانی کا نکاح مسلمان عورت سے
 بوجہ ارتداد قادیانیوں کے واجب الفسخ ہے یا نہیں۔ اس ضمن
 قادیانیوں کے مرتد ہونے کا مسئلہ زیر بحث آیا۔ فریقین کے ماہرین مذاہب
 جمع ہوئے مفصل دلائل نقلیہ و عقلیہ کے قلمبند ہونے کے بعد قادیانیوں
 کے ارتداد کا حکم جناب حج صاحب موصوف نے صادر فرمایا اور فسخ کا
 فیصلہ دیا۔ اس فیصلہ کا کچھ تعلق انکار ختم نبوت سے تھا جس پر قرآن پاک
 کی متعدد آیات اور بیس شمار احادیث صحیحہ اور اجماع امت کے اس قدر دلائل و جوہر
 کہ توحید باری تعالیٰ کے علاوہ کسی مسئلے پر اس قدر دلائل نہیں۔ اسلام

میں سینکڑوں گمراہ اسلامی فرقے پیدا ہوئے لیکن مسئلہ ختم نبوت پر سب کا
 اتفاق رہا اور اس لئے دشمنانِ اسلام، اسلام کی اس بنیادی عمارت
 میں شکاف ڈالنے میں کامیاب نہ ہو سکے حضور علیہ السلام کے وقت سے
 لے کر اب تک جو ۱۳۹۳ھ ربیع الاول اور ۱۹۷۳ء اپریل ہے پوری
 اُمتِ مسلمہ تقریباً چودہ سو سال سے اس عقیدہ پر متفق اور قائم ہے جس
 کی وجہ سے اسلام کے اصلی عقائد زندہ ہیں کہ حضور علیہ السلام کے بعد
 نبوت کا عہدہ دیا جانا بند ہے اور مدعی نبوت اور اس کے ماننے والے
 مرتد اور خارج از اسلام ہیں چاہے وہ اسلام کا دعویٰ بھی کریں جیسے
 صرف دعویٰ سے کوئی شخص کمشنر ڈپٹی کمشنر تحصیلدار تھا تیار حتیٰ کہ سرکاری
 چپٹر اسی اگر ان عہدوں کا دعویٰ کرے اور حکومت کی لسٹ میں نام نہ ہو
 اور حکومت ان دعویٰ داروں کو جھوٹا قرار دیتی ہو تو پھر اسلام کے دعویٰ
 سے ایک آدمی بغیر حقیقتِ اسلام کے محقق ہونے کے کیسے مسلم ہو سکتا
 ہے جبکہ حقیقتِ اسلام کا بنیادی عقیدہ اس میں موجود نہ ہو اور ظاہری
 اسلام کی کچھ نشانیاں بھی اس میں موجود ہوں۔ جیسے گھوڑے کی تصویر یا
 فوٹو حقیقی گھوڑا نہیں ہو سکتا اور نہ بگی کھینچ سکتا ہے کیونکہ یہ حقیقی گھوڑے
 کا کام ہے۔ ملت کے عملی اتحاد کے لئے فکری اتحاد ضروری ہے اور مستحکم فکر

کی بنیاد عقیدہ ہے جب یہ بنیاد ہل جائے تو مسلم قوم و ملت کی خمارت و طہرائی
سے گر جائے گی۔ اس لئے وحدتِ ملت ختمِ نبوت سے وابستہ ہے۔ اقبال
مرحوم نے صحیح فرمایا ہے ۵

لا نبی بعدی زا احسانِ خداست پر وہ ناموسِ دین مصطفیٰ است
تاناہ این وحدت ز دست مارو ، مستی ما با ابد ہمدم شود

اس سے واضح ہوا کہ استحکامِ پاکستان کی نظریاتی وحدت اسلام اور ختمِ نبوت
ہے جو ۹۵ کروڑ مسلمانوں کے عقیدہ سے الگ دین قائم کریں جس میں
قرآن حدیث خدا اور رسول کی تکذیب اور توہین ہو وہ اسلامی قلعے میں
نقب لگانے والے ہیں اور خارج از اسلام ہیں۔ اس سلسلہ میں مقدمہ
بہاولپور تاریخی کارنامہ ہے۔

شمس الحق افغانی عفی عنہ

فیصلہ مقدمہ بہاولپور اُمت محمدیہ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی متفقہ
 کوششوں اور کاوشوں کا نتیجہ ہے مولانا سید انور شاہ صاحب مولانا
 غلام محمد صاحب گھوٹوی مولانا محمد صادق صاحب بہاولپور اور جناب
 جسٹس محمد اکبر صاحب کی ارواح مقدسہ کو اللہ تعالیٰ نے بلاشبہ اعلیٰ علیین
 میں مقام علیا سے نوازا ہوگا۔ انہوں نے اُمتِ مرحومہ پر جو احسان کیا وہ
 رہتی دنیا کے مسلمانوں پر یکساں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو خاتم الانبیاء
 کے خصوصی مقام اور عظمت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد عبدالقادر آزاد

خطیب بادشاہی مسجد مفتی پنجاب

۲۲

58980

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اگر کوئی مسلمان ہے تو وہ فیصلہ مقدمہ بہاولپور کے متعلق دوسری رائے
نہیں رکھ سکتا۔ حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کاشمیری علیہ الرحمۃ اور
دوسرے بزرگوں اور علمائے اس مقدمہ کی پیروی کر کے دین اسلام کی
ایک گرانقدر خدمت انجام دی تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند
کرے اور ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

محمد احمد عفی عنہ

میر واعظ کشمیر

انشاء اللہ جب یہ فیصلہ کتابی صورت میں شائع ہوا تو عقیدہ ختم نبوت
کے بارے میں انشراحِ قلب اور باعثِ رشد و ہدایت ثابت ہوگا۔
فقیر محبوب الرحمن عفی اللہ عنہ
عیدگاہ راولپنڈی

تمام علمائے اسلام کا متفقہ فتویٰ ہے کہ حضور اکرم خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کی نبوت کو جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ایسا دعویٰ کرنے والا وائریہ اسلام سے خارج ہے۔ پاک و ہند میں مرزا غلام احمد قادیانی کے ماننے والے مسلمانوں سے علیحدہ جماعت ہیں۔ اس کی پوری روئیداد جسٹس محمد اکبر خاں صاحب سابق ریاست بہاولپور کے مفصل و مدلل فیصلہ میں موجود ہے یہ فیصلہ عوام و خواص مسلمین کے لیے مشعل ہدایت ہے۔

مفتی محمد حسین نعیمی ناظم دارالعلوم
جامع نعیمیہ لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ختم نبوت کے متعلق میرا عقیدہ یہ ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین دو پہلوؤں پر مشتمل ہے۔ ایک ظاہری یعنی عقلی فکری و نظری پہلو ہے اور دوسرا روحانی یعنی عقلی عالم سے بالاتر میرے خیال میں ظاہری پہلو کی بنیاد ہمارے دین میں روحانی پہلو پر ہے ورنہ کسی نبی یا پیغمبر کی شاید ضرورت نہ ہوتی۔ ظاہری پہلو کی حیثیت اسباب سفر کی سی ہے اور روحانی کی حیثیت ایک منزل کی یعنی اسباب سفر کا تعین منزل یا مقصد کے اعتبار سے کیا گیا ہے جنور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کے بارے میں عقلی استدلال میں شکوک و اوہام کا اثر تو ملتا ہے لیکن دوسرے پہلو میں کوئی ایک بھی استثنا موجود نہیں ہے۔ میں نے اس میں جتنا غور

کیا ہے میں بلا استثنا ہمیشہ اسی ایک نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جو شخص جناب
 محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا آخری نبی یعنی آپ کے اس
 ارشاد کو کہ ”لا نبی بعدی“ کو دل و جان سے نہیں مانتا وہ مسلمان
 نہیں ہو سکتا عقلی فتویٰ کچھ ہو لیکن حقیقی بات یہی ہے۔

کتاب زیر نظر میں بھی ایک صاحب عقیدہ مسلمان نے ایمانی جرات
 کا مظاہرہ کیا اور ساتھ ہی عقل و فکر کی رائے کو بھی دریافت کر کے صحیح
 فیصلہ دیا۔ مرحوم کا یہ فیصلہ ایک صدقہ جاریہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب
 مسلمانوں کو عقیدے کی پختگی عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد عبدالقیوم

صدر آزاد کشمیر ایوان صدر مظفر آباد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله واحد والصلوة على من لانبى بعدا

آج سے تقریباً ۴۰ سال پہلے مرزا غلام احمد قادیانی کا وہل و فریب انگریز
کے منحوس سایہ میں پروان چڑھ رہا تھا۔ فتنہ قادیانیت سے انگریزی پڑھا
لکھا طبقہ نہ صرف یہ کہ ناواقف تھا بلکہ مدعی نبوت مرزا غلام احمد قادیانی
کی تعریف و تائید کرتا تھا۔ اس کے علاوہ تاج برطانیہ اور وائسرائے ہند
کے زیر اثر تمام طاقتوں کی سرپرستی اس فتنہ ارتداد کو حاصل تھی۔ ایسے
وقت میں محترم محمد اکبر صاحب مرحوم و مغفور (مہارولپور) نے برصغیر کے
چوٹی کے علماء خصوصاً محدث اعظم حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری
کے دلائل سننے کے بعد جراتِ ایمانی اور عقیدہ ختم نبوت پر کامل ایمان

کا مظاہرہ کرتے ہوئے مرزا غلام احمد فتاویٰ کو کاؤب اور اس کے ماننے والوں کو مرتد اور خارج از اسلام قرار دے کر فیصلہ بہاولپور کے نام سے وہ تاریخی فیصلہ کیا ہے جو مسلمانوں کے لیے ہمیشہ مشعلِ راہ رہے گا اور جس کی پیروی کرتے ہوئے انہیں کے ہم نام دوسرے محمد اکبر صاحب اور اب سندھ کے کسی جج نے بھی یہی فیصلے کیے ہیں حقیقت یہ ہے کہ مرحوم محمد اکبر صاحب بہاولپور والے اس تاریخ کے سنہرے باب کے حرفِ اول اور آخر سمجھے جائیں گے۔ اس فیصلے کی دوبارہ اشاعت نہایت مستحسن اقدام ہے۔ قانون دان اور نئی نسل اس سے روشنی حاصل کریں گے۔ خدا مرحوم کو تاجدارِ مدینہ کے قدموں میں مجھ سمیت جگہ نصیب فرمائے (آمین)

خادم عبدالحکیم عفی اللہ عنہ (ممبر قومی اسمبلی پاکستان)

مدیر فقانیہ مدنیہ راولپنڈی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بلا شک و شبہ خاتم النبیین ہیں اور تمام امت کا اس بات پر اجماع رہا ہے کہ حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نئی - بروزی اور کسی بھی قسم کا نبی نہیں آسکتا اور تاقیامت دروازہ نبوت آپ پر بند کر دیا گیا ہے اس نازک دور میں جب طرح طرح کے فتنے اسلام کے خلاف مچا رہے ہیں فتنہ مرزاہیت کے لیے اور اس کے سدباب کے لیے اپنا وقت پیسہ اور تہمت کا صرف کرنا باعثِ اجربہ ہے۔

حقیر مفتی محمد مختار احمد خلیب سیالکوٹ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله وحده لا شريك له والصلوة والسلام على سيدنا محمد
خاتم النبيين الذي لا نبي بعده وعلى اصحابه وازواجه وذريته
الذين نشروا هذه واتبعوا هديهم

اما بعد

ختم نبوت کا عقیدہ اہل اسلام کا متفقہ عقیدہ ہے جس سے انکار کی
جرات فرق باطلہ کو بھی نہ ہو سکی اور چودہ سو برس سے اب تک جتنے اسلامی
فرقے وجود میں آئے سب نے اس عقیدہ کا اقرار کیا ہے اور تسلیم کیا ہے۔
اس کا شمار ضروریات دین میں ہے یعنی اس کا اسلامی عقیدہ ہونا اس قدر
روشن ہے کہ کسی مسلمان کو اس میں شک و شبہ نہیں ہو سکتا اور یہ مسلمہ قاعدہ ہے

کہ ضروریاتِ دین میں سے کسی بات کا انکار یا اس میں شک اسلام سے
 بغاوت اور کفرِ خالص ہے، نیز یہ کہ اس میں تاویل بھی قائل کو کفر سے
 نہیں بچا سکتی جس طرح اس کا منکر کا فر ہے اسی طرح اس کا مؤید بھی
 کا فر ہے۔ سچ یہ ہے کہ ختمِ نبوت کا مفہوم سمجھ لینے کے بعد کوئی شخص بھی
 جو مسلمان ہونے کا مدعی ہے، اس کے انکار یا اس کی تاویل کی جرأت
 نہیں کر سکتا۔ بہت سیدھی سادی بات ہے کہ نبوت کی ابتدا حضرت
 آدم علیہ السلام سے ہوئی اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والسلام پہلے نبوت ختم
 ہوئی اور اب اس دور میں اس فتنہ کا سدباب بھی مسلمانوں کے فرائض
 میں ایک اہم فریضہ بلکہ راہِ نجات یہی ہے اور یہ کتاب جو مسلمانوں
 کے لئے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتی ہے اور ایک صدقہ جاریہ ہے۔
 اللہ تعالیٰ جملہ مسلمانوں کو اس فتنہ کو روکنے کے لئے ہمت دے۔ آمین
 ثم آمین۔

سید محمد شمس الدین

(ڈپٹی سپیکر صوبائی اسمبلی بلوچستان)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مسماة غلام عائشہ بنت مولوی الہی بخش ذات ملانہ عمر ۱۹ سال
سکنہ احمدپور شرقیہ بختاری الہی بخش ولد محمود ذات ملانہ ساکن احمدپور شرقیہ
معلم مدرسہ عربیہ

بِنا م

عبدالرزاق ولد مولوی جان محمد ذات باجہ عمر ۲۳ سال ساکن موضع ہند
تحصیل احمدپور شرقیہ، حال مقیم میلسی شہر گیج ریڈرسب ڈوئین انہاری
ضلع ملتان

دعویٰ دلاپانے ڈگری استقرایہ مشعر تینخ نکاح
فریقین بوجہ ارتداد شوہر م مدعا علیہ

یہ ایک خاص نوعیت اور اہمیت کا مقدمہ ہے جو سال ۱۹۲۶ء میں دائر ہو کر ایک
 وقت انتہائی مراحل اپنی طے کر چکا ہے۔ اور سال ۱۹۳۲ء سے پھر ایک نئی
 شان اور نئے اسلوب سے ابتدائی حیثیت میں عدالت ہدایا میں زیر سماعت چلا
 آیا ہے۔ واقعات مختصر یہ ہیں کہ مولوی الہی بخش والد مدعیہ اور مولوی عبدالرزاق
 مدعا علیہ باہمی رشتہ دار ہیں۔ اور اب دادیہ دونوں علاقہ ڈیرہ غازی خان میں رہتے
 تھے۔ عبدالرزاق کی ہمیشہ مولوی الہی بخش سے بیابھی ہوئی تھی۔ اور مولوی
 الہی بخش نے اپنی لڑکی مسماۃ غلام عائشہ مدعیہ کا نکاح اس کے ایام نابالغی میں سے
 عبدالرزاق مدعا علیہ سے کر دیا تھا۔

یہ لڑکی اس کی ایک سابقہ بیوی کے لطف سے تھی۔ اور اس کا نکاح
 وہیں فریقین کے استبدادی مسکن پر ہوا تھا۔ اس کے بعد مولوی الہی بخش وہاں
 سے ترک سکونت کر کے علاقہ ریاست ہدایا میں چلا آیا۔ اور سال ۱۹۱۴ء میں
 اس نے موضع مہند تحصیل احمد پور شرقیہ میں ایک زمیندار کے ہاں عربی تعلیم دینے پر
 ملازمت اختیار کر لی۔ مدعیہ کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ اس سے ایک سال کے
 بعد مدعا علیہ بھی مبعہ اپنی والدہ اور دو ہمیشہ گان کے وہاں سے ترک سکونت کر کے
 مولوی الہی بخش کے پاس موضع مہند میں آ گیا۔ اور اپنے کنبہ کو وہاں چھوڑ کر خود حصول
 معاش کے لئے مختلف مقامات پر پھرتا رہا۔ دوران تمام موضع مہند
 میں اس نے اپنے سابقہ اعتقادات سے انحراف کر کے مرزائی مذہب
 اختیار کر لیا۔ اور وہاں اپنے قادیانی۔ مرزائی ہونے کا اعلان بھی کرتا رہا۔ اس
 کے بعد اس نے مولوی الہی بخش سے مدعیہ کے رخصتانہ کے متعلق استدعا
 کی۔ تو اس نے جواب دیا کہ جب تک وہ مرزائی مذہب ترک نہ کرے گا مدعیہ کا
 بازو اس کے حوالے نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ مدعا علیہ کچھ عرصہ مدعیہ کے رخصتانہ کے
 واسطے رہا۔ لیکن اسے یہی جواب دیا جاتا رہا کہ اس کے مرزائی مذہب پر قائم رہنے
 کی صورت میں مدعیہ اس کے حوالے نہیں کی جاسکتی۔ جب اسے کامیابی کی امید

نظر نہ آئی۔ تو وہ پھر ریاست سے ترک سکونت اختیار کر کے علاقہ برٹش انڈیا میں چلا گیا اور حدود ریاست ہند کے قریب علاقہ تحصیل بودھراں میں سکونت اختیار کر لی۔

ان سوالات پر کہ مدعا علیہ نے حدود ریاست سے سکونت کب ترک کی اور کس نے مرزائی یا احمدی مذہب کہاں اور کب اختیار کیا؟ آگے بحث کی جائے گی۔ یہاں اب صرف یہ درج کیا جاتا ہے کہ مدعیہ کے اس رخصتانہ کے سوال پر والد مدعیہ اور مدعا علیہ کے درمیان کشیدگی پیدا ہو گئی۔ اور والد مدعیہ نے مدعیہ کی طرف سے بیعت اس کے شمار کے ۲۴ جولائی ۱۹۲۶ء کو مدعا علیہ کے خلاف یہ دعویٰ بدیں بیان دائر کیا۔ کہ مدعیہ اب تک نابالغ رہی ہے۔ اب عرصہ دو سال سے بالغ ہوئی ہے۔ مدعا علیہ نکاح مدعیہ نے مذہب اہلسنت والجماعت ترک کر کے قادیانی۔ مرزائی مذہب اختیار کر لیا ہے۔ اور اس وجہ سے وہ مرتد ہو گیا ہے۔ اس کے مرتد ہوجانے کے باعث مدعیہ اب اس کی منکوحہ نہیں رہی کیونکہ وہ شرعاً کافر ہو گیا ہے۔ اور موجب احکام شرعی تلافی بوجہ ارتداد مدعا علیہ مدعیہ مستحق الفساق زوجیت ہے۔ اس لئے ڈگری تنسیخ نکاح بحق مدعیہ صادر کیا وے اور یہ قرار دیا جاوے کہ مدعیہ بوجہ مرزائی ہوجانے مدعا علیہ کے اس کی منکوحہ جائز نہیں رہی۔ اور نکاح بوجہ ارتداد مدعا علیہ قائم نہیں رہا۔

مدعا علیہ نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ اس نے کوئی مذہب تبدیل نہیں کیا اور نہ ہی وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ بلکہ وہ بدستور مسلمان اور احکام شرعی کا پورا پابند ہے۔ احمدی کوئی علیحدہ مذہب نہیں۔ نہ وہ مرزائی ہے۔ نہ قادیانی نکاح ہر صورت میں جائز اور قابل تکمیل ہے۔ عقائد احمدیہ کی وجہ سے جو صلاحیت مذہبی کی طرف رجوع دلاتے ہیں وہ مرتد نہیں ہوجاتا۔ عدالت عالیہ چیف کورٹ بہاولپور ردراس اور دیگر ہائی کورٹوں سے یہ امر فیصلہ پاچکا ہے کہ جماعت احمدیہ کے مسلمان اصلاح یافتہ فرقہ میں سے ہیں۔ مرتد یا کافر نہیں ہیں۔ دعویٰ ناجائز اور قابل اخراج ہے۔ اور کہ بناء دعویٰ بمقتام ہند ریاست ہما دلپور قائم نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ نہ فریقین کی وہاں سکونت رہی ہے۔ اور نہ ہی مدعا علیہ نے وہاں سر میل کی کوئی تحریک کی۔ علاوہ ازیں کس مقام پر

سرمل کی تحریک کئے جانے سے وہ مقام قانوناً بنائے دعویٰ تصور نہیں کیا جاسکتا۔
 دعویٰ وہاں سماعت ہونا چاہیے جہاں مدعا علیہ کی مستقل سکونت ہو یا بناو دعویٰ
 پیدا ہوئی ہو۔ مقدمہ حال میں مدعا علیہ کی مستقل سکونت چونکہ علاقہ ملتان میں ہے
 اور نکاح صلح ڈیرہ غازی خان میں ہوا تھا۔ اس لئے دعویٰ احد دوریاست ہذا میں
 سماعت نہیں ہو سکتا۔

یہ دعویٰ ابتداءً منصفی احمد پور شرقیہ میں دائر ہوا تھا۔ منصف صاحب احمد پور
 شرقیہ نے فریقین کے مختصر سے بیانات قلمبند کرنے کے بعد ۱۹۲۶ء کو
 حسب ذیل امور نتیجہ طلب قرار دیئے۔

۱۔ کیا مدعا علیہ مذہب قادیانی یا مرزائیت اختیار کر چکا ہے۔ اور اس لئے
 ارتداد لازم آتا ہے۔

۲۔ اگر نتیجہ بالاجح مدعیہ ثابت ہو۔ تو کیا نکاح فیما بین فریقین قابل الفساح سے ہے؟
 ان نتیجہات کے ثبوت میں مدعیہ نے مدعا علیہ کو عدالت مذکورہ میں بحیثیت گواہ
 خود پیش کیا تو مدعا علیہ نے ۵۔ دسمبر ۱۹۲۶ء کو یہ بیان کیا کہ یہ درست ہے۔ کہ وہ مرزا

غلام احمد صاحب کو سچ موعود تسلیم کرتا ہے۔ اور ساتھ ہی انہیں نبی بھی مانتا ہے۔ اس
 معنی میں کہ مرزا صاحب نبی کریم صلعم (حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کے نابود
 ہیں۔ اور آپ کی شریعت کے پیرو ہیں اور آنحضرت صلعم کی غلامی کی وجہ سے آپ نبوت
 کے دوہرے پرنائز ہوئے۔ اور اس وقت تک اس کا یہی اعتقاد ہے۔ گویا وہ سلسلہ
 احمدیت میں منسلک ہو چکا ہے۔ وہ مرزا صاحب کو ان معنوں میں نبی کہتا ہے جن معنوں
 میں کہ قرآن کریم نبوت کو پیش کرتا ہے۔ جیسا کہ دیگر انبیاء علیہم السلام ہیں کہ ان پر وحی اور
 الہام وارد ہوتے ہیں۔ چونکہ وہ مرزا غلام احمد صاحب کو نبی تسلیم کرتا ہے۔ اس لئے
 وہ یہ بھی مانتا ہے کہ ان پر پیشل دیگر انبیاء علیہم السلام کے نزول ملائکہ و جبرائیل
 علیہم السلام ہوتا تھا۔

اس بیان کو مد نظر رکھتے ہوئے منصف صاحب احمد پور شرقیہ نے ۱۰۔ جنوری ۱۹۲۶ء

کو یہ مزید تین سوچ طلب فرار دیا۔ کہ کیا اس اعتقاد کی صورت میں جو مدعا علیہ نے بیان کیا ہے۔ کہ وہ مرزا غلام احمد کو نبی تسلیم کرتا ہے۔ اس معنی میں کہ مثل دیگر انبیاء علیہم السلام مرزا صاحب پر وحی اور الہام وارد ہوتے تھے۔ کوئی شخص مذہب اسلام میں شامل ہو سکتا ہے؟ اور اس کا باثبوت مدعا علیہ پر عائد کیا۔ اس کے بعد مدعا علیہ نے ۱۹ فروری ۱۹۲۶ء کو ایک درخواست پیش کی۔ کہ سابقہ تاریخ پر اس نے جو بیان دیا تھا۔ اس میں اس نے اپنے اعتقادات مذہبی کو بخوبی واضح کر دیا تھا۔ لیکن عدالت نے اس سے جو خلاصہ اخذ کیا ہے۔ وہ اس کے اصلی اعتقاد مذہبی کے منافی ہے۔ چونکہ اعتقاد مذہبی کی غلط تعبیر سے مقدمہ پر کافی اثر پڑتا ہے۔ اس لئے اپنے اعتقاد مذہبی کو مدعا علیہ ذیل میں بیان کرتا ہے تاکہ غلط فہمی نہ رہے۔

میں خداوند تعالیٰ کو واحد لا شریک ماتا ہوں۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کو خاتم النبیین تسلیم کرتا ہوں۔ قرآن کریم کو کامل الہامی کتاب ماتا ہوں۔ کلمہ طیبہ پر میرا ایمان ہے۔ اور حضرت محمد صلعم کی برکت اور آپ کے توسط سے اور آپ کی شریعت مقدسہ کی اطاعت سے حضرت مرزا صاحب کو امتی نبی تسلیم کرتا ہوں۔ حضرت مرزا صاحب کو نبی شریعت نہیں لائے۔ بلکہ شریعت محمدی کے تابع اور اشاعت کرنے والے ہیں۔ ان پر وحی اور الہام بابرکت حضرت نبی کریم صلعم وارد ہوتے تھے۔

اس درخواست میں یہ استدعا کی گئی۔ کہ جو امر تین سوچ سابقہ تاریخ پر وضع کیا گیا ہے وہ درست نہیں ہے۔ تین سوچ بالفاظ ذیل وضع ہونا چاہیے۔ کہ آیا مدعا علیہ جس کا مذہب اعتقاد یہ ہے۔ جو کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ مرتد ہے۔ اور مسلمان نہیں ہے؟ اور اس کا ثبوت بزمہ مدعیہ عائد کیا جائے۔ مگر عدالت نے اس درخواست پر کوئی التفات نہ کی اور اسے شامل نہیں کر دیا۔

اس کے بعد حکم، ۱۹۲۶ء عدالت عالیہ چیف کورٹ نے یہ مقدمہ عدالت ہذا میں منتقل ہوا۔ اور عدالت ہذا میں ۱۶ دسمبر ۱۹۲۶ء کو مدعا علیہ نے اپنے عقائد کی پھر ایک فہرست پیش کی۔ جسکا ذکر مناسب جگہ پر کیا جائے گا

یہ مقدمہ عدالت ہڈا سے بحکم ۲۱۔ نومبر ۱۹۲۸ء اس بنا پر خارج کیا گیا کہ عدالت عالیہ چیف کورٹ بہاولپور سے اسی قسم کے ایک مقدمہ بعنوان مسماۃ چندو ڈی بنام کریم بخش میں با بتاریخ فیصلہ جات عدالت ہائی اعلیٰ مدراس۔ پنڈ و پنجاب کے یہ قرار دیا جا چکا ہے کہ احمدی مسلمانوں کا ایک فرقہ نہیں نہ کہ اسلام سے باہر۔ اور کوئی مرزائی مذہب اختیار کرے کسی سنی عورت کا نکاح اس شخص کیساتھ جو اس مذہب کو قبول کر لے فسخ نہیں ہو جاتا۔ اور کہ مدعیہ کی طرف سے ان فیصلہ جات کے خلاف کوئی سند پیش نہیں کی گئی۔

عدالت ہڈا کا یہ حکم برطبق اپیل عدالت عالیہ چیف کورٹ سے بحال رہا۔ لیکن اپیل ثانی پر عدالت مصلیٰ اجلاس خاص سے یہ قرار دیا گیا کہ عدالت ہڈا سے فریقین کے پیش کردہ اسناد پر بحث کے بغیر دعویٰ مدعیہ خارج کر دیا گیا ہے۔ اور فاضل ججان چیف کورٹ نے اپنے فیصلہ میں تسلیم کیا ہے کہ پنڈ و پنجاب ہائی کورٹوں کے فیصلہ جات مقدمہ ہڈا میں جاری نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ان میں غیر متعلق سوال زیر بحث رہے ہیں۔ البتہ مدراس ہائی کورٹ کے فیصلہ مندرجہ ۱۷۔ انڈین کیسز ۶۶ میں سوال زیر بحث بجنسہ ہیں تھا۔ کہ آیا احمدی ہو جانے سے ارتداد واقع ہوتا ہے۔ یا نہ لیکن ہم نے اس فیصلہ کو بغور مطالعہ کیا ہے۔ ہم فاضل ججان چیف کورٹ کی رائے سے اختلاف کرتے ہیں کہ فیصلہ مذکورہ بالا مکمل چھان بین سے طے پایا تھا۔ کیونکہ فاضل ججان مدراس ہائی کورٹ خود فیصلہ میں تسلیم کرتے ہیں۔ کہ ان کے پاس کوئی خاص سند اس بات کی پیش نہیں کی گئی کہ فلاں فلاں اسلام کے بنیادی اصول ہیں۔ اور ان سے اس حد یا اس درجہ تک اختلاف کرنے سے ارتداد واقع ہوتا ہے۔ یا کن اسلام عقائد کی پیروی یا کن عقائد کے نہ ماننے سے ارتداد واقع ہوتا ہے۔ اس فیصلہ میں پھر فاضل ججان تسلیم کرتے ہیں کہ اس سوال کو کہ آیا عقائد قادیانی سے ارتداد واقع ہوتا ہے یا نہ۔ علمائے اسلام بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں۔ اس لئے ہماری رائے میں فاضل ججان ہائی کورٹ کا فیصلہ سوال زیر بحث پر قطعی نہیں ہے۔ اور ہمیں مقدمہ ہڈا میں اس کی پیروی کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس قرار داد کے ساتھ یہ مقدمہ

اس ہدایت کے ساتھ واپس ہوا۔ کہ گو مولوی غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ - جامع عباسیہ بہاولپور کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کا قادیانی عقائد کے مطابق یہ ایمان ہو کہ حضرت محمد صلعم کے بعد کوئی اور نبی آیا ہے۔ اور اس پر وحی نازل ہوئی ہے تو ایسا شخص چونکہ ختم نبوت حضرت رسول کریم صلعم کا منکر ہے۔ اور ختم نبوت اسلام کے ضروریات میں سے ہے۔ لہذا وہ کافر ہے۔ اور دائرہ اسلام سے خارج ہے لیکن ہم اس مقدمہ کا فیصلہ کرنے کے لئے شیخ الجامعہ صاحب کی رائے کو کافی نہیں سمجھتے۔ جبکہ دیگر ہندوستان کے بڑے بڑے علماء دین بھی اس رائے سے اتفاق نہ رکھتے ہوں۔ اس لئے مقدمہ مزید تحقیقات کا محتاج ہے۔ اور مدعا علیہ کو بھی موقع دینا چاہیے کہ شیخ الجامعہ صاحب کے بالمقابل اپنے دلائل پیش کرے۔

واپسی پر اس مقدمہ میں فریقین کے ہم مذہب اور ہم خیال اشخاص کی فرقہ بندی شروع ہو گئی اور تقریباً تمام ہندوستان میں اس کے متعلق ایک ہیجان پیدا ہو گیا۔ اور طرفین سے ان کی جماعت کے بڑے بڑے علماء بطور مختاران فریقین و بطور گواہان پیش ہونے لگے۔ ان کے اس طرح میدان میں آنیسے تدریجاً یہ سوال عوام کیلئے جاذب توجہ بن گیا۔ اور پبلک کو اس میں ایک خاص دلچسپی پیدا ہو گئی۔ اور سرتایخ سماعت پر لوگ جوق در جوق کمرہ عدالت میں آنے لگے۔ چنانچہ عوام کی اس دلچسپی اور مذہبی جوش کو مد نظر رکھتے ہوئے حفظ امن قائم رکھنے کی خاطر پولیس کی امداد کی ضرورت محسوس کی گئی۔ اور عدالت ہذا کی تحریک پر صاحب بہادر کمشنر پولیس کسٹرون سے سرتایخ پیشی پر پولیس کا خاطر خواہ انتظام کیا جاتا رہا۔ امر ماہ النزاع حل و حرمت سے تعلق رکھنے کے علاوہ ضمناً چونکہ مدعا علیہ کے ہم خیال جماعت کی تکبیر پر بھی مشتمل ہے۔ اس لئے طرفین کو اس مقدمہ میں کھلے دل سے اپنے دلائل منادات اور بحث ہائے تحریری و تقریری پیش کرنے کا کافی موقع دیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ مدعا علیہ کسٹرون سے ایک ایک گواہ کے بیان اور جرح پر بعض دفعہ مسلسل ایک ایک جہنہ بھی صرف ہوا ہے۔ اور اس کی طرف سے جو بحث

تحریری پیش ہوئی ہے۔ وہ کئی سوورتی پر مشتمل ہے۔ اور فیصلہ میں تعویق زیادہ تر مسل کے اس قدر ضخیم بن جانے کی وجہ سے بھی ہوئی ہے۔ دوران سماعت مقدمہ ہذا میں مدعا علیہ نے مدعیہ اور اس کے والد مولوی الہی بخش کے خلاف ۲۳۔ اگست ۱۹۳۲ء کو عدالت سبج صاحب درجہ دوم ملتان میں دعوے اعادہ حقوق زن و نسوانی دائر کر کے عدالت موصوف سے ان سرود کے خلاف ۱۶۔ جون ۱۹۳۳ء کو ڈگری بکطرفہ حاصل کر لی۔ اور اس مقدمہ میں جبکہ شہادت فریقین ختم ہو کر مدعیہ کی طرف سے بحث بھی سماعت ہو چکی تھی۔ مدعا علیہ کی طرف سے یہ عند برپا کیا گیا کہ عدالت ہذا کو اختیار سماعت مقدمہ ہذا حاصل نہیں۔ کیونکہ بنا دعوے حدود ریاست ہذا میں پیدا نہیں ہوئی اور نہ ہی مدعا علیہ کی رائلش عارضی یا مستقل ریاست ہذا کے اندر ہوئی ہے۔

دوسرے عدالت سرکار برطانیہ سے مدعا علیہ کے حق میں ڈگری استقرار حق زوجیت برخلاف مدعیہ والہی بخش والدش کے صادر ہو چکی ہے۔ اس لئے بروئے دفعہ ۱۱ ضابطہ دیوانی عدالت ہذا کو اس کے متعلق فیصلہ کرنے کا حق نہیں ہے۔ اور کہ بموجب دفعات ۱۳۔ ۱۴۔ ضابطہ دیوانی ڈگری مذکور قطعی ہو چکی ہے۔ اور اس کے صادر ہونے کے بعد مقدمہ زیر سماعت عدالت ہذا نہیں چل سکتا۔

مدعا علیہ کے ان غدرات کو بوجہ اس کے کہ وہ عدالت ہذا کے اختیار سماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ اہم سمجھا جا کر اس مقدمہ میں ۸۔ نومبر ۱۹۳۳ء کو حسب ذیل مزید منقحات ایزاد کی گئیں۔

۱۔ کیا مدعا علیہ کی سکونت بوقت دائری دعوے ہذا حدود ضلع ہذا میں تھی۔ یا یہ کہ بنا دعوے ح و ضلع ہذا میں پیدا ہوئی اس لئے دعوے قابل سماعت عدالت ہذا ہے۔
 ۲۔ اگر نتیجہ بالا بخلاف مدعیہ طے ہو تو کیا عدالت ہذا کے اختیار سماعت کا سوال اس مرحلہ پر جبکہ مقدمہ پہلے عدالت ہائے اعلیٰ تک پہنچ چکا ہے اور مدعا علیہ برابر پیروی کرتا رہا ہے نہیں اٹھایا جاسکتا۔

۳۔ کیا ڈگری ملک غیر کی بنا پر جو بحق مدعا علیہ برخلاف مدعیہ صادر ہوئی ہے سماعت

متعدد ہذا میں دفعات ۱۲-۱۴ ضابطہ دیوانی عارض نہیں ہیں۔ ان تنقیحات کے وضع کرنے سے قبل مدعا علیہ کی طرف سے محکمہ معطلی وزارت عدلیہ میں پیش کیا حضور سرکار عالی دام اقبالہ، و ملکہ میں پیش کئے جانے کے لئے ایک درخواست مشتمل بر عذرات مذکورہ بالا موصول ہوئی جو ممبران عدالت ہذا میں سمجھادی گئی۔ اس درخواست کے مطالعہ سے یہ ضروری خیال کیا گیا کہ مدعا علیہ کی طرف سے بحث پیش ہونے سے قبل ان قانونی عذرات مذکورہ بالا کو طے کر لیا جاوے۔ اس لئے ۳۔ نومبر ۱۹۳۳ء کو فریقین کے نام نوٹس باس اطلاع جاری کئے جانے کا حکم دیا گیا کہ وہ تاریخ مقررہ پر اپنے علماء کو ہمراہ نہ لادیں بلکہ خود حاضر ہوں تاکہ ان قانونی سوالات پر غور کیا جا کر انہیں طے کر لیا جاوے۔ مدعیہ کی طرف سے عدالت ہذا کے اس حکم کی ناراضی سے محکمہ معطلی اجلاس خاص میں درخواست نگرانی پیش کی گئی ہے۔ اور محکمہ معطلی نے حکم، نومبر ۱۹۳۳ء یہ قرار دیا کہ فریق مدعیہ پر تعین نوٹس درست نہیں ہوئی۔ لہذا یہ ہدایت کی گئی کہ سلسلہ بحث اور حدیث مہر کی دریافت کو ساتھ ساتھ جاری رکھا جاوے۔ اور اگر کسی فریق کے حق میں التواء مقدمہ ضروری خیال کیا جاوے، تو دوسرے فریق کو اس فریق سے مناسب ہرجانہ دلایا جاوے۔ باتباع اس حکم کے فریقین کو جدید تنقیحات کے متعلق اپنا اپنا ثبوت پیش کرنے کی ہدایت کی گئی۔ اور مختاران مدعا علیہ کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی طرف سے سلسلہ بحث کو بھی جاری رکھیں اس کے بعد جب جدید تنقیحات مذکورہ بالا کے متعلق طرفین کی شہادت ختم ہو چکی۔ تو مدعا علیہ نے پھر ۲ جنوری ۱۹۳۴ء کو ایک درخواست کے ذریعہ یہ عذر برپا کیا کہ امور ذیل کو بھی زیر تنقیح لایا جاوے۔

کہ کیا مدعا علیہ کی وطنیت ریاست بہاولپور میں واقع ہے؟
 اگر تنقیح بالا مدعیہ کے خلاف ثابت ہو۔ تو پھر بھی عدالت ہذا کو اختیار سماعت حاصل ہے۔ اس درخواست کو اس بنا پر مسترد کیا گیا کہ مدعا علیہ کی طرف سے اس قسم کا پہلے کوئی عذر نہیں اٹھایا گیا۔ حالانکہ وہ پہلے قانونی مشورہ حاصل کر کے پیروی کرتا رہا ہے۔ علاوہ ازیں جہاں تک اس کے اس جدید عذر کا قانونی پہلو ہے۔ اس کے متعلق وہ اپنی بحث کے وقت قانون پیش کر سکتا ہے۔

واقعات کے لحاظ سے فریقین کی طرف سے مثل پر جو برادری لایا جا چکا ہے۔ وہ اس سوال پر بھی بحث کرنے کے لئے کافی ہے۔ لہذا کسی مزید تفتیح کے وضع کرنے کی ضرورت خیال نہیں کی جاتی۔

اس سے قبل دوران شہادت میں مدعا علیہ کی طرف سے ایک حجت یہ بھی پیدا کی گئی تھی کہ مدعیہ بوقت ارجاع نالاش نابالغ تھی۔ اس لئے اب اس سے خود دریافت ہونا چاہئے کہ وہ مقدمہ چلانا چاہتی ہے یا نہ۔ لہذا اس سوال کے متعلق بھی یکم مارچ ۱۹۳۳ء کو ایک تفتیح بائیں الفاظ وضع کیا گیا تھا۔ کہ کیا مدعیہ بوقت ارجاع نالاش نابالغ تھی۔ اور اس کا باثبوت مدعا علیہ پر عائد کیا گیا۔ کیونکہ مدعیہ کی طرف سے اُسے نابالغ ظاہر کیا جا کر بمختاری والدش دعوے دائر کیا گیا تھا۔ لیکن بعد میں اس تفتیح کو حکم ۲۹۔ مارچ ۱۹۳۳ء خارج کیا گیا۔ کیونکہ قانوناً مدعا علیہ کا یہ عذر ناقابل پذیرائی تھا۔ ملاحظہ ہو ۴۔ انڈین کیسز صفحہ ۳۰۹ اب ذیل میں دیگر قانونی سوالات پر بحث کی جاتی ہے۔

مدعا علیہ کا اہم عذر یہ ہے کہ اس نے کبھی حدود ریاست میں سکونت اختیار نہیں کی۔ اور نہ ہی اس نے یہاں احمدی مذہب قبول کیا ہے بلکہ وہ ۵-۶ سال تک شیخوپورہ میں رہا ہے۔ وہاں سے اُس نے سال ۱۹۲۲ء میں ایک خط کے ذریعہ مرزا صاحب کے خلیفہ ثانی کیسٹا تہ بقیہ کی تھی۔ اور بیعت کرنے کے ۵-۶ ماہ بعد اُس نے اپنے موجودہ مسکن واقعہ علاقہ لودھراں میں آکر سکونت اختیار کی یہاں اُس نے آکر ایک مکان تعمیر کرایا۔ اور اس وقت سے یہاں مقیم ہے۔

مدعیہ کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ مدعا علیہ ضلع ڈیرو غازی خان سے ترک سکونت کرنے کے بعد سیدھا مولوی الہی بخش والد مدعیہ کے پاس حدود ریاست ہذا میں آیا۔ اور یہاں لودھراں شروع کی۔ مرزائی مذہب اس نے ایک شخص مولوی کے نظام الدین کی ترغیب پر قبول کیا جو موضع ہند مسکن والد مدعیہ کے قریب رہتا ہے۔ اور دعوے ہذا دائر ہونے کے بعد وہ حدود ریاست ہذا کے باہر چلا گیا،

ان امور کے متعلق فریقین کی طرف سے جو شہادت پیش ہوئی ہے۔ اس سے حسب ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں۔

مدعا علیہ کی یہ حجت درست نہیں پائی جاتی۔ کہ وہ کبھی ریاست ہذا میں نہیں آیا بلکہ مدعی کی پیش کردہ شہادت سے جس کی کہ مدعا علیہ کی طرف سے کوئی خاطر خواہ تردید نہیں کی گئی یہ ثابت ہے۔ کہ مدعا علیہ مولوی الہی بخش کے یہاں آنے کے بعد اپنے مسکن واقعہ علاقہ ضلع ڈیرہ غازیخان سے سیدھا حدود ریاست ہذا میں مولوی الہی بخش والد مدعیہ کے پاس آیا۔ اور اپنی والدہ اور ہمیشہ گان کو اس کے ان چھوڑ کر خود حصول معاش کیلئے حدود ریاست ہذا کے اندر مختلف مقامات پر پھرتا رہا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد پھر مولوی الہی بخش کے پاس آکر ٹھہرتا رہا۔ اس کے بعد جب مدعیہ کے رخصتانہ کا سلسلہ شروع ہوا۔ تو وہ ترک سکونت کر کے یہاں سے چلا گیا۔ اور غالباً صحیح یہی ہے۔ کہ وہ مقدمہ ہذا دائر ہونے سے قبل ہی چلا گیا ہے۔ کیونکہ خود مدعیہ نے عرضید عوئے میں اس کی سکونت بمقام میس دسج کرائی ہے۔ چنانچہ اس پتہ پر جب سمن جاری کیا گیا تو مختار مدعیہ نے پھر ۱۔ اکتوبر ۱۹۲۶ء کو منصف احمد پور شرقیہ میں ایک درخواست پیش کی کہ مدعا علیہ کی سکونت گو دعوائے میں بمقام میس لکس ہوئی ہے۔ لیکن اب مدعا علیہ یہاں احمد پور شرقیہ میں موجود ہے۔ پھر تعمیل نہیں ہو سکے گی۔ اب اس پتہ پر سمن جاری کیا جا کر تعمیل کرائی جاوے۔ چنانچہ اسی داد عدالت سے سمن جاری کیا جا کر مدعا علیہ کی اطلاع عیابی کرائی گئی۔ مدعا علیہ کہتا ہے کہ اُسے وہاں دھوکہ سے بلوایا گیا۔ لیکن یہ سوال چنداں اہم نہیں۔ وہ چاہے جس طرح احمد پور شرقیہ میں آیا یہ امر واقعہ ہے۔ کہ سمن پر اس کی اطلاع عیابی وہاں کرائی گئی۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ دائری دعوائے کے وقت اُس کی رائٹس حدود ریاست ہذا کے اندر نہ تھی۔ لہذا اس بنا پر مدعا علیہ کی یہ حجت درست ہے کہ دائری دعوائے کے وقت چونکہ حدود ریاست ہذا کے اندر اس کی عارضی یا مستقل سکونت نہ تھی۔ اس لئے یہاں اس کے خلاف دعوائے دائر نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن اُس کی کیا تھی

ہی مدعیہ کی پھر یہ حجت ہے۔ کہ مدعا علیہ نے اپنا مذہب چونکہ حدود ریاست ہذا کے اندر تبدیل کیا ہے۔ اس لئے اُسے مدعا علیہ کے تبدیل مذہب سے بنا دعوئے پیدا ہوتی ہے۔ اور اس لحاظ سے مدعا علیہ کے خلاف یہاں دعوئے درست طور پر و اثر کیا گیا ہے۔

مدعا علیہ بیان کرتا ہے کہ اس نے احمدی مذہب شیخ واہ ضلع ملتان میں قبول کیا تھا۔ اور کہ ابتداً وہ ضلع ڈبرہ غازی خان سے شیخ واہ میں ہی گیا تھا۔ اس کی طرف سے بیعت کا ایک خط پیش کیا گیا ہے۔ جو ڈاک خانہ دنیا پور سے ۲۱۔ جنوری ۱۹۲۲ء کو خلیفہ صاحب ثانی کی خدمت میں بھجوا یا گیا۔ اور جس پر بغیر کسی ولایت قومیت کے صرف عبدالرزاق احمدی لکھا ہوا ہے۔ اس سے یقینی طور پر یہ قرار دیا جاسکتا ہے کہ یہ خط اسی عبدالرزاق مدعا علیہ کا تحریر شدہ ہے۔ شناخت خط کے بارہ میں مدعا علیہ کی طرف سے دو گواہان پیش ہوئے ہیں۔ جن میں ایک اللہ بخش بالکل نو عمر لڑکا ہے۔ وہ بیان کرتا ہے۔ کہ وہ شیخ واہ میں مدعا علیہ کے پاس پڑھا کرتا تھا۔ اس وقت وہ مدعا علیہ کو لکھتا ہوا دیکھا کرتا تھا۔ شناخت خط کے بارہ میں پہلے تو اس نے یہ کہا کہ شاید وہ نہ پہچان سکے۔ لیکن پھر بیان کیا۔ کہ وہ شناخت کرتا ہے۔ کہ خط مشمولہ مسل مدعا علیہ کا تحریر کردہ ہے۔ لیکن اول تو جس وقت یہ گواہ مدعا علیہ کو لکھتا ہوا دیکھنا بیان کرتا ہے۔ اس وقت خود اس کی اپنی عمر کوئی ۱۳-۱۴ سال کے قریب ہوگی۔ غیر غلب ہے کہ اس عمر میں اس نے مدعا علیہ کی طرز تحریر کو بخوبی ذہن نشین کر لیا ہو۔ دوسرے اس خط کی شناخت کے متعلق کوئی خاص جو بات بیان نہیں کر سکا۔ علاوہ ازیں جب اس کی مذہب بیانی کو مد نظر رکھا جائے۔ تو اس کی شہادت بالکل ناقابل اعتبار ہو جاتی ہے۔ اس طرح دوسرے گواہ کی شہادت بھی سرسری قسم کی ہے اور اس پر بھی پورا حساب رد نہ نہیں کیا جاسکتا۔

مدعا علیہ بیان کرتا ہے کہ وہ شیخ واہ میں ۵-۶ سال رہا۔ لیکن وہاں کی

کی سکونت ثابت کرنے کے لئے بھی اس کی طرف سے یہی اللہ بخش گواہ پیش ہوا ہے۔ دیگر گواہان صرف سماعی طور پر بیان کرتے ہیں۔ کہ وہ لودھراں میں وہاں سے آیا تھا۔ لہذا اس ضمن میں مدعا علیہ کی طرف سے مسل پر جو مواد لایا گیا ہے۔ اس سے یہ فرار دینا مشکل ہے۔ کہ مدعا علیہ اپنے موجودہ مسکن پر سکونت پذیر ہونے سے قبل شیخوہ میں رہتا تھا۔ اور اس نے احمدی مذہب بھی وہیں اختیار کیا تھا۔ اس کی طرف سے بیعت کا جو خط پیش کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق قابل اطمینان طریق پر یہ ثابت نہیں کیا گیا۔ کہ وہ اسی عبدالرزاق مدعا علیہ کا ہے۔ ان تمام واقعات سے یہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ مدعا علیہ نے علاقہ لودھراں میں سکونت اختیار کرنے سے قبل جہاں پہلے سکونت اختیار کی ہوئی تھی۔ احمدی مذہب اس نے وہاں قبول کیا۔ مدعا علیہ حسب ادعا خود یہ ثابت کرنے میں کامیاب نہیں رہا کہ اس کی یہ سابقہ سکونت شیخوہ میں تھی۔ برعکس اس کے مدعیہ کی طرف سے یہ ثابت ہے کہ مدعا علیہ اپنی موجودہ سکونت اختیار کرنے سے قبل حدود ریاست ہذا میں سکونت پذیر تھا۔ اس لئے مدعا علیہ کے اپنے بیان سے ہی یہ ثابت قرار دیا جاسکتا ہے۔ کہ اس نے احمدی مذہب حدود ریاست ہذا میں اختیار کیا۔ اور اس کی تائید مدعیہ کی پیش کردہ شہادت سے بھی ہوتی ہے۔ لہذا یہ قرار دیا جاتا ہے کہ مدعا علیہ کا مذہب تبدیل کرنا چونکہ حدود ریاست ہذا کے اندر اس کی جائے سکونت موضع ہند میں واقع میں آیا ہے۔ اس لئے اس بنا پر مدعیہ کو ضلع ہذا کے اندر بنائے دعوائے پیدا ہوئی ہے۔ لہذا عدالت ہذا کو اس مقدمہ کی سماعت کا مکمل اختیار حاصل ہے۔

مدعا علیہ کے اس اعتراض کے جواب میں کہ اس کی چونکہ حدود ریاست ہذا کے اندر سکونت نہیں رہی۔ اس لئے عدالت ہذا کو اس کے خلاف سماعت مقدمہ ہذا کا اختیار حاصل نہیں ہوتا۔ مدعیہ کی طرف سے یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ مدعا علیہ نے گواہی کا یہ عذر اٹھایا تھا۔ لیکن بعد میں عدالت ہائے اپیل میں جا کر اس نے اسے ترک کر دیا۔ اور شروع سے لیکر آخر تک وہ برابر اس کی سپروی کرتا رہا۔ اس لئے سمجھا جائے گا کہ اس نے

عدالت ہذا کے اختیار سماعت کو قبول کر لیا تھا۔ اس لئے اب وہ اس پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔ اس بارہ میں فیصلہ ۲۹۔ انڈین کیسز صفحہ ۵۶۶ بطور سند پیش کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق مدعا علیہ کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ اپیلیں چونکہ مدعیہ کی طرف سے ہوتی رہی تھیں۔ اس لئے اسے اعتراض کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ علاوہ ازیں مقدمہ چونکہ دوبارہ ابتدائی حیثیت میں عدالت ہذا کے زیر سماعت آ گیا ہے۔ اس لئے وہ اس سوال پر عدالت کو متوجہ کر سکتا ہے۔ مگر مدعا علیہ کی یہ حجت درست معلوم نہیں ہوتی کہ اسے اپیل میں یہ عذر اٹھانے کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ فیصلہ اس کے خلاف ہونا ممکن تھا۔ اس لئے اسے ہر پہلو سے اپنی جوابدہی کرنی چاہیے تھی۔ اور گو کہ مقدمہ اب پھر ابتدائی حیثیت میں سماعت کیا گیا ہے۔ تاہم اس مقدمہ کے سابقہ مراحل کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اور اگر اس حجت کو درست بھی تسلیم کر لیا جادے تو چونکہ اوپر یہ قرار دیا جا چکا ہے کہ مدعا علیہ کے تبدیل مذہب سے بناء دعویٰ حدود ریاست ہذا میں پیدا ہوئی ہے اس لئے اس سوال پر مزید کسی بحث کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور عدالت ہذا سے مدعا علیہ کے خلاف یہ دعویٰ درست طور سماعت کیا گیا ہے۔

اس قرار واد سے ان نتیجعات میں سے پہلے دو کا حوالہ نمبر ۱۹۳۳ء کو وضع کی گئی محض فیصلہ ہو جاتا ہے۔ باقی تیسری نتیجے کے متعلق جو ڈگری ملک غیر کی بابت ہے صرف یہ درج کر دینا کافی ہے۔ کہ عدالت صادر کنندہ ڈگری کے بعد رویہ سوال کہ مدعا علیہ تبدیل مذہب کی وجہ سے مرتد ہو چکا ہے۔ اور اس لئے مدعیہ اس کی منکوحہ نہیں رہی۔ زیر بحث نہیں آیا۔ اور نہ ہی پایا جاتا ہے۔ کہ اس عدالت کو یہ بتلایا گیا کہ اس نکاح کے بارہ میں مدعیہ کی طرف سے عدالت ہذا میں بھی مقدمہ دائر ہے۔ اس لئے سمجھا جائے کہ وہ فیصلہ صحیح واقعات پر صادر نہیں ہوا۔ اور ڈگری دھوکے سے حاصل کی گئی۔ لہذا وہ ڈگری برائے ضمن (ب) و (د) دفعہ ۱۳ ضابطہ دیوانی قطعی قرار نہیں دی جاسکتی اس طرح دفعہ ۱۳ ضابطہ دیوانی کا اطلاق واقعات مقدمہ ہذا پر نہیں ہوتا۔ کیونکہ جیسا کہ اوپر ذکر دیا گیا ایک وہ ڈگری قطعی نہیں دوسرا وہ کسی عدالت واقع اندرون حدود ریاست ہذا کی صادر شدہ

نہیں۔ اس لئے یہ تیسری تفریق بھی بحث مدعیہ و بر خلاف مدعا علیہ طے کی جاتی ہے۔
 مدعا علیہ کی طرف سے اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ فریقین چونکہ درحقیقت اپنی شہریت
 اور وطنیت کے لحاظ سے برٹش انڈیا سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ اور والد مدعیہ نے خود یا
 اس کے کسی گواہ نے یہ دعویٰ نہیں کیا۔ کہ وہ ہمیشہ کے لئے برٹش شہریت اور وطنیت چھوڑ
 چکا ہے۔ کیونکہ شہریت اور وطنیت کو ترک کرنے کے لئے لازمی ہے۔ کہ یہ فعل علانیہ
 طور پر اور پبلک اظہار کے بعد قانونی حیثیت سے کیا جاوے۔ اس لئے تا وقتیکہ یہ ثابت
 نہ ہو۔ ایسے نکاح متنازعہ کے متعلق قانون بین الاقوامی یہ ہے۔ کہ وہ نکاح جو اس ملک کے
 قانون کے لحاظ سے جائز ہے۔ جہاں سے وہ منعقد ہوا۔ وہ ساری دنیا میں جائز اور درست
 ہے۔ اور کوئی دوسرے ملک کی عدالت اسے ناجائز قرار نہیں دے سکتی۔ اور پھر
 ایسے نکاح کی نسیخ کے متعلق بھی قانون بین الاقوامی یہ ہے کہ جس ملک میں سرحد زوجین
 کو وطنیت حاصل ہو۔ صرف وہیں کی عدالت نسیخ کا مقدمہ سن سکتی ہے۔ اور اس قانون
 کی مد سے بوی کی وطنیت وہی جگہ تصور ہوگی۔ جہاں خاوند کی وطنیت ہو۔

فریقین کی طرف سے جو شہادت پیش ہوئی ہے۔ اس کا ما حاصل یہ ہے۔ کہ فریقین
 اپنی ابتدائی برطانوی شہریت و وطنیت پر قائم ہیں۔
 گو حصول معاش کے لئے ایک فریق نے اپنی رہائش بہاولپور میں رکھی ہوئی ہے۔
 مگر محض دوسری جگہ رہائش رکھنے سے اصل وطنیت کا ترک ہونا لازم نہیں آتا مدعیہ
 کا نکاح علاقہ انگریزی میں ہوا۔ جہاں کہ مدعیہ کی بیان کردہ وجہ ارتداد کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔
 اس وجہ سے علاقہ انگریزی کے قانون کی رو سے یہ نکاح صحیح اور جائز ہے۔

لیکن مدعا علیہ کی یہ حجت اس لئے وزن دار نہیں۔ کہ اول تو یہ ثابت ہے
 کہ مولوی الہی بخش بہت مدت سے اپنے سابقہ مسکن سے ترک سکونت کر کے
 مدد ریاست ہذا میں رہائش پذیر ہے۔ اس کے کافی مدت کے
 ہو دو بائش اور دیگر اعمال سے یہ بخوبی احض ہوتا ہے کہ وہ مدد ریاست ہذا
 میں مستقل سکونت اختیار کر چکا ہے۔ اور اس کا اپنے سابقہ مسکن پر واپس

جانے کا ارادہ نہیں۔ کیونکہ اس بارہ میں جو شہادت پیش ہوئی ہے۔ اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ علاقہ ضلع ڈیرہ غازی خان میں اب اس کا اپنا کوئی گھر موجود نہیں۔ مدعیہ چونکہ اس وقت نابالغ تھی اور بطور زوجہ مدعا علیہ کے حوالہ نہ کی گئی تھی۔ اس لیے اس کا اپنے والد کے ہمراہ یہاں چلے آئے اور اس کیساتھ بوجہ وراثت رکھنے سے یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے بھی اب مثل اپنے والد کے یہاں کی وطنیت اختیار کر لی ہے۔ علاوہ ازیں یہ پایا جاتا ہے کہ جب وہ بالغ ہوئی تو اس نے مدعا علیہ کی زوجیت سے انکار کر دیا۔ اور یہ حجت کی کہ ضلع ڈیرہ غازی خان میں اس کا جو نکاح مدعا علیہ سے ہوا تھا۔ وہ بوجہ امداد مدعا علیہ قائم نہیں رہا۔ اس لیے کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ مدعیہ کی وطنیت بھی اب وہی شمار ہوگی۔ جو کہ مدعا علیہ نے اختیار کی ہوئی ہے۔ کیونکہ وہ وراثت بطور زوجہ اس کے ساتھ آباد رہی۔ اور نہ اب حقوق زوجیت کو تسلیم کر کے اس کے ساتھ وہاں آباد ہونے کو آمادہ ہے۔ اس لیے لا محالہ یہ قرار دینا پڑے گا کہ مدعیہ نے بھی اب یہیں وطنیت اختیار کی ہوئی ہے۔ اور اگر بغرض محال مدعا علیہ کی اس حجت کو درست بھی مان لیا جاوے تو بھی مدعا علیہ کامیاب نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ اس مقدمہ کی کارروائی یہاں بھی اس ضابطہ دیوانی کے تحت کی گئی ہے۔ جو علاقہ انگریزی میں جاری ہے۔ اور نکاح زیر بحث کا تصفیہ اسی شخصہ قانون کے تحت کیا جا رہا ہے۔ کہ جس کی رو سے قانون مروجہ علاقہ انگریزی کی رو سے تصفیہ کئے جانے کی ہدایت ہے یعنی بروئے شرع محمدی۔ اس لیے کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ ریاست ہذا کا قانون جس کے تحت مقدمہ ہذا میں کارروائی کی جا رہی ہے۔ وہ برلش انڈیا کے قانون سے مختلف ہے۔ ان قانون کی تعبیر کا سوال دوسرا ہے۔ کسی قانون کی تعبیر اس قانون کا جزو شمار نہیں ہو سکتی اس لیے کسی عدالت کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ کہ وہ کسی خاص قانون کی تعبیر وہی کرے جو دوسری عدالت نے کی ہے۔ تا وقتیکہ وہ اس کی ماتحت عدالت نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہی مسئلہ پر مختلف ججی کورٹوں کی مختلف قرار دہی پائی جاتی ہیں۔ مقدمہ حال میں عدالت معالیٰ اجلاس خاص نے مدعا علیہ کو

کے فیصلہ کو معاملہ زیر بحث کے متعلق قطعی نہ سمجھتے ہوئے قابلِ پیروی خیال نہیں کیا۔ اور عدالت محلے کی یہ قرارداد قانوناً بالکل درست ہے۔ اس لئے نہیں کہا جاسکتا۔ کہ قانون بین الاقوامی کی اگر یہ سمجھا بھی جاوے۔ کہ ریاست ہذا اور برٹش انڈیا کے مابین حاوی ہے۔ کوئی خلاف ورزی کیسگی۔ کیونکہ یہاں اسی قانون پر عمل کیا جا رہا ہے جو برٹش انڈیا میں مروج ہے۔ اور اگر وطنیت کو ہی معیار سماعت و دعویٰ قرار دیا جاوے تو چونکہ مدعیہ کی وطنیت حدود ریاست ہذا کے اندر پائی جاتی ہے۔ اس لئے اس لحاظ سے بھی ریاست ہذا کی عدالتوں کو اس مقدمہ کی سماعت کا اختیار حاصل ہے۔ لہذا یہ مقدمہ عدالت ہذا میں درست طور پر جمع ہو کر زیر سماعت لایا گیا ہے۔

ان قانونی امور کو حل کرنے کے بعد اب اصل معاملہ التزاع کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور قبل اس کے کہ اس سوال پر فریقین کی پیش کردہ شہادت اور دلائل پر بحث کی جائے یہ سمجھنے کیلئے کہ قادیانی یا مرزا یا احمدی مذہب کیا ہے اور مذہب اسلام کے ساتھ اس کا کیا لاگات ہے۔ اور اس مذہب کو قبول کرنے والے کو کیوں مرتد سمجھا گیا ہے کچھ مختصر تمہید کی ضرورت ہے۔

یہ بات کچھ خلاف واقع نہ ہوگی۔ اگر یہ کہا جاوے۔ کہ ہر مذہب دولت کے نزدیک ابتدائی آفرینش اور وجود باری تعالیٰ کا علم کتب سماوی سے ہوا ہے۔ ممکن ہے کہ تمام مذاہب کے متعلق یہ رائے صحیح نہ ہو۔ تو کم از کم یہود نصاریٰ اور مسلمانوں کے متعلق بلاخوف تردید یہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ ان کے مذاہب کی رو سے نہ صرف امور مذکورہ بالا کا علم کتب سماوی سے ہوا ہے بلکہ ابتدائے آفرینش کے بارہ میں ان کی کتب سماوی کا قریباً قریباً ہمہ اتفاق بھی ہے۔ اس بحث سے کچھ یہ دکھانا بھی مقصود ہے۔ کہ صرف مسلمان ہی ایک ایسی قوم نہیں جو کہ اپنی مذہبی کتاب قرآن مجید کو منزل من اللہ کہنے والی ہے۔ بلکہ اسرہم کا عقیدہ دیگر اقوام میں بھی پایا جاتا ہے۔ اور وہ بھی اپنے مذاہب کی بنیادی کتابوں کے منزل من اللہ ہونے کے قائل ہیں۔ مسئلہ زیر بحث

کا چونکہ صرف مسلمانوں سے تعلق ہے۔ اس لئے یہاں صرف ان کی آسمانی کتاب
 قرآن مجید کا ہی ذکر کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے پایا جاتا ہے کہ خداوند
 تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ تو انہیں ایک خاص درخت کے پھل
 کھانے سے منع فرمایا گیا۔ اس کے بعد جب آدم علیہ السلام نے غلطی سے اس پھل کو
 کھالیا۔ تو ان کو بلخ جنت سے بیدخل کر دیا گیا۔ اور شیطان کو بھی جس کی ترغیب پر
 انہوں نے وہ پھل کھایا تھا۔ وہاں سے نکالا گیا۔ اور یہ ارشاد ہوا کہ :-
**قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا ۚ فَاٰتَيْنَاكَ مِنْهَا مِّنْ حُدًى
 مِّنْ تَبَعِ هُدًى اٰى فَلَاحُوفٌ عَلَيْهِمْ وَاَكَا
 هُمْ يَحْزَنُونَ ط**

نیچے جاؤ یہاں سے تم سب۔ پھر اگر نیچے میری طرف سے کوئی ہدایت۔ تو جو بلا میری
 ہدایت پر نہ خوف ہو گا ان پر اور نہ وہ غمگین ہونگے (سورہ بقرہ کوٹ ۳)
 باری تعالیٰ کی طرف سے یہ ہدایت پھر اس کے رسولوں کے ذریعہ سے جو کہ انسانوں
 میں سے منتخب کئے جاتے ہیں پہنچتی رہی۔ حتیٰ کہ رسولوں کا یہ سلسلہ حضرت محمد مصطفیٰ
 صلعم تک جاری رہا۔ موسیٰ کے بعد آئندہ سلسلہ رسالت جاری رہنے میں لوگوں میں اختلاف
 ہونے لگا۔ اور عیسیٰ کے مبعوث ہونے پر جن لوگوں نے انہیں نہ مانا اور جو موسیٰ کی ہدایت
 پر قائم رہے۔ وہ یہ ہو دکھلائے۔ اور جنہوں نے عیسیٰ کو نبی تسلیم کر لیا وہ نصاریٰ
 کہلائے اور ان کے بعد جب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملی تو انہیں جن لوگوں
 نے نبی تسلیم کر کے انکی تعلیم پر چلنا شروع کیا وہ مسلمان کہلاتے ہیں۔ اب مدعیہ کی طرف سے
 یہ کہا جاتا ہے۔ کہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ اور ایمان ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلعم آخری نبی ہیں
 اور ان کے بعد اور کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ ہاں البتہ آخری زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو
 آسمان پر زندہ ہیں۔ آسمان سے نزول فرما دیں گے۔ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کی شریعت
 پر چل کر لوگوں کو راہ ہدایت دکھلائیں گے۔ اور رسول اللہ صلعم کی شریعت پر چلنے کی وجہ
 سے امتی نبی کہلائیں گے۔

اب انیسویں صدی کے آخر میں مرزا غلام احمد صاحب قادیاہی نے جو مدعا علیہ کے پیشوا ہیں۔ ان روایات کی جو نزول عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق مسلمانوں میں مشہور چلی آتی تھیں یہ تعبیر کی ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام جو مسیح ناصری تھے فوت ہو چکے ہیں۔ انہوں نے واپس نہیں آنا۔ اور نہ ان کا واپس آنا بروئے آیات قرآنی ممکن ہے۔ اور نہ وہ نبی ہو کر امتی ہو سکتے ہیں۔ بلکہ امتی نبی سے یہ مراد ہے۔ کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کے کمال اتباع اور فیض سے ان کے کسی امتی کو بہت کا درجہ عطا کیا جائیگا۔ اور اس تعبیر کے ساتھ انہوں نے اس درجہ کا لپٹے مختص ہونے کا دعوئے کیا ہے۔ اس دعویٰ کی تائید میں فریق ثانی کی طرف سے جو دلائل اور سننات وغیرہ پیش کی گئی ہیں۔ ان پر آگے بحث کی جائے گی۔ اب صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ جی لوگوں نے مرزا صاحب کے اس دعوئے کو صحیح تسلیم کر کے ان کی تعلیم پر چلنا شروع کر دیا ہے۔ انہیں لوگ مرزا صاحب کیساتھ اور ان کے مسکنی قادیان کے ساتھ تعلق رکھنے کی وجہ سے بعض اوقات مرزائی کہتے ہیں۔ اور بعض اوقات قادیانی۔ اور قادیانی مرزائی کہنے سے ایک اور تعبیر بھی لی جاتی ہے وہ یہ کہ مرزا صاحب کے متبعین کے دو فریق ہیں۔ ایک لاہوری اور دوسرے قادیانی۔ لاہوری انہیں نہیں مانتے۔ قادیانی انہیں نبی مانتے ہیں۔ اس لئے قادیانی مرزائی کہنے سے یہ مراد لی جاتی ہے۔ کہ وہ شخص جس کے متعلق یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ وہ مرزا صاحب کے ان متبعین میں سے ہے۔ جو انہیں نبی مانتے ہیں۔ مقصد ہذا میں مدعا علیہ پر اسی مفہوم کے تحت یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ اس فرقہ کا تیسرا نام احمدی ہے۔ جس کے متعلق فریق ثانی کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ اس جماعت کے امیر نے اپنی جماعت کے لئے تجویز کر کے گورنمنٹ سے اس نام سے اپنی جماعت کو موسوم کئے جانے کی منظوری حاصل کی ہوئی ہے۔

مسلمانوں کے نزدیک قرآن مجید کے بعد سند اور اعتبار کے لحاظ سے احادیث کا درجہ ہے۔ جو حضرت رسول کریم صلعم کے اقوال کا مجموعہ ہیں۔ اب مدعیہ کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ مرزا صاحب کا دعویٰ غلط ہے۔ قرآن مجید اور

احادیث کی رو سے حضرت محمد مصطفیٰ صلعم خاتم النبیین ہیں۔ ان کے بعد اور کوئی نبی نبی نہیں ہو سکتا۔ مرزا صاحب کے اعتقادات شرعاً درست نہیں ہیں۔ بلکہ کفر کی حد تک پہنچے ہیں۔ اس لئے ان کو نبی تسلیم کرنے والا اور ان کی تعلیم پر عمل کرنے والا بھی کافر ہے اور دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد ہو جاتا ہے۔ اور کسی مستی عورت کا نکاح جو قبل ازاں تداو اس کے ساتھ ہوا ہو شرعاً قائم نہیں رہتا۔ اور اس اصول کے تحت مدعیہ کا نکاح مدعا علیہ کے قادیانی۔ مرزائی ہو جانے کی صورت میں اس کے ساتھ قائم نہیں رہا۔ لہذا ڈگری انفرادی زوجیت دیجاوے۔

مدعا علیہ کی طرف سے کہا جاتا ہے۔ کہ قادیانی مذہب۔ مذہب اسلام سے کوئی مغایرت مذہب نہیں ہے۔ بلکہ اس مذہب کے صحیح اصولوں کی صحیح تعبیر ہے۔ اس تعبیر کے مطابق عمل پیرا ہونے سے وہ خارج از اسلام نہیں ہوا۔ اس کا نکاح قائم ہے۔ اور دعوئے مدعیہ قابل انصراخ ہے۔

چنانچہ فریقین نے اپنے اپنے اس ادعا کے مطابق شہادت پیش کی ہے جس پر آگے بحث کی جائے گی۔ مقدمہ ہذا میں ابتدائی تنقیحات جنکا اڈپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ چاہے جس شکل یا جن الفاظ میں وضع شدہ ہیں۔ ان کا نفس معاملہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ان کا مفہوم بھی ہے۔ کہ کیا مدعا علیہ نے قادیانی یا مرزائی مذہب اختیار کر لیا ہے۔ اور کیا اس مذہب میں داخل ہونے سے ارتداد واقع ہو جاتا ہے۔ اور کیا اس صورت میں مدعیہ کا نکاح منسوخ سمجھا جائے گا۔ اس لئے ان تنقیحات کی ترمیم کے متعلق مدعا علیہ کے عدالت کو وزن دار خیال نہیں کیا گیا۔ اس لئے ان تنقیحات کے الفاظ میں کسی ردوبدل کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ اور خصوصاً ان میں ترمیم کی ضرورت اس لئے نہیں رہی۔ کہ اگر مدعا علیہ کے ادعا کے مطابق یہی صورت تنقیحات قائم کی جاوے۔ تو میل پر اس قدر مواد اچکا ہے۔ کہ اس کی رو سے اس صورت میں بھی بحث کی جا سکتی ہے۔ اس سوال پر اب چنداں بحث کی ضرورت نہیں رہی۔ کہ آیا مدعا علیہ قادیانی مرزائی ہے۔ یا نہ کیونکہ اس نے اپنے

اعتقادات کی جو فہمستد پیش کی ہے۔ اُس میں اُس نے صاف طور پر درج کیا ہے کہ وہ حضرت مرزا صاحب کو امتی بنی تسلیم کرتے ہیں۔ اور اُن پر وحی اور الہام بابرکت حضرت نبی کریم صلعم وارد ہوتے تھے۔ اس لئے اس سے یہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ کہ وہ مرزا صاحب کے قادیانی متبعین میں سے ہے۔ اب بحث طلب صرف یہ امر ہے کہ آیا یہ عقیدہ کفر ہے اور اس عقیدہ کے رکھنے والا دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد قرار دیا جاسکتا ہے؟ اس سلسلہ میں مدعیہ کی طرف سے چھ گواہان ذیل مولوی غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ عباسیہ بہاولپور مولوی محمد حسین صاحب سکنہ گوجرانوالہ۔ مولوی محمد شفیع صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند۔ مولوی مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری۔ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری۔ مولوی نجم الدین صاحب پروفیسر اور نیٹیل کالج لاہور پیش ہوئے ہیں اور مدعا علیہ کی طرف سے دو گواہان مولوی جلال الدین صاحب شمس۔ اور مولوی غلام احمد صاحب مجاہد پیش ہوئے ہیں۔ یہ ہر دو گواہان قادیانی مبلغین میں سے ہیں۔ ان جملہ گواہان کی شہادتیں کئی معاملات شرعی پر مشتمل ہیں۔ اور بہت طویل ہیں۔ ان کا اگر معمولی اختصار بھی یہاں درج کیا جاوے تو اس سے نہ صرف فیصلہ کا حجم بڑھ جائے گا بلکہ اصل معاملہ کے سمجھنے میں بھی الجھن پیدا ہو جائے گی۔ اس لئے ان شہادتوں سے جو اصول اور دلائل اخذ ہوتے ہیں۔ وہ یہاں درج کئے جاتے ہیں۔ اور زیادہ تر دربار معسلی کی ہدایت کے مطابق ان شہادتوں کی رو سے یہ دیکھنا ہے کہ اسلام کے وہ کون سے بنیادی اصول ہیں کہ جن سے اختلاف کرنے سے ارتداد واقع ہو جاتا ہے۔ یا یہ کہ کن اسلامی عقائد کی پیروی نہ کرنے یا نہ ماننے سے ایک شخص مرتد سمجھا جاسکتا ہے۔ اور کہ کیا عقائد قادیانی سے ارتداد واقع ہو جاتا ہے۔ یا نہ؟

مدعیہ کی طرف سے مذہب اسلام کے جو اہم اور بنیادی اصول بیان کئے گئے ہیں۔ وہ سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ کے بیان میں مفصل درج ہیں۔ یہاں ان کا مختصراً اعادہ کیا جاتا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ایمان کے معنی یہ ہیں کہ کسی کے قول کو اس کے عقائد

پر باور کر لیا جاوے۔ اور کہ غیب کی خبروں کو انبیاء کے اعتماد پر باور کرنے کو ایمان کہتے ہیں۔ اور حق نامتناسی۔ یا ہنکر ہو جانے یا مکر جانے کو کفر کہتے ہیں۔ ہمارے دین کا ثبوت دو طرح سے ہے یا تو اثر سے یا خبر واحد سے تو اثر سے کہتے ہیں کہ کوئی چیز نبی کریم سے ایسی ثابت ہوئی ہو۔ اور ہم تک علی لا تقصال پہنچ ہو کہ اس میں خطا کا احتمال نہ ہو۔ یہ تو اثر چار قسم کا ہے۔ تو اثر اسنادی۔ تو اثر طبقہ۔ تو اثر قدر مشترک اور تو اثر توارث۔

تو اثر اسنادی اُسے کہا جاتا ہے۔ کہ جو صحابہ سے پسند صحیح مذکور ہو۔ تو اثر طبقہ اُسے کہتے ہیں۔ کہ جب یہ معلوم نہ ہو۔ کہ کس نے کس سے لیا۔ بلکہ یہی معلوم ہو کہ پچھلی نسل نے اگلی سے سیکھا۔ جیسا کہ قرآن مجید کا تو اثر۔

تو اثر قدر مشترک یہ ہے کہ حدیثیں کئی ایک خبر واحد آئی ہوں۔ اس میں قدر مشترک متفق علیہ حصہ وہ حاصل ہو جو تو اثر کو پہنچ گیا۔ مثلاً نبی کریم صلعم کے معجزات۔ جو کچھ متواتر ہیں۔ اور کچھ خبر احاد ہیں۔ ان اخبار احاد میں اگر کوئی مضمون مشترک ملتا ہے۔ تو وہ قطعی ہو جاتا ہے۔ اس کی مزید تشریح مولوی مرتضیٰ حسن صاحب گواہ مدعی نے یہ کی ہے کہ بعض ایسی احادیث جو باعتبار لفظ اور سند کے متواتر نہیں ہیں وہ باعتبار معنی کے متواتر ہو جاتی ہیں۔ اگر ان معنوں کو اتنی سندوں سے اور اتنے راویوں نے بیان کیا ہو۔ کہ جن کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہو۔

تو اثر توارث اُسے کہتے ہیں۔ کہ نسل نے نسل سے لیا ہو۔ اور یہ تو اثر اس طرح سے ہے۔ کہ بیٹے نے باپ سے لیا۔ اور باپ نے اپنے باپ سے۔ ان جملہ اقسام کے تو اثر کا انکار کفر ہے۔ اگر متواترات کے انکار کو کفر نہ کہا جاوے۔ تو اسلام کی کوئی حقیقت نہیں رہتی۔ ان متواترات میں تاویل کرنا مطلب بگاڑنا۔ کفر صریح ہے اور متواترات کو تاویل سے پلٹنا بھی کفر ہے۔ کفر کبھی قولی ہوتا ہے۔ اور کبھی فعلی مثلاً کوئی شخص ساری عمر نماز پڑھتا ہے اور ۲۳ سال کے بعد ایک بت کے آگے سجدہ کر دے۔ تو کفر فعلی ہے۔ کفر قولی یہ ہے۔ کہ کوئی شخص یہ کہہ دے کہ خدا کیساتھ

صفتوں میں یا فعل میں کوئی شریک ہے۔ اسی طرح یہ کہنا بھی کفر قول ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم و حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کے بعد کوئی اور نیا پیغمبر آئے گا۔ کیونکہ تو اترتواریث کی ذیل میں ساری امت اس علم میں شریک رہی ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم کے بعد اور کوئی نبی نہیں آئے گا۔

اسی طرح کوئی شخص اگر اپنے مساوی سے کہہ دے۔ کہ کلمہ بکا۔ تو وہ کوئی چیز نہیں۔ اُستاد اور باپ سے کہے۔ تو اسے عاق کہتے ہیں۔ پیغمبر کے ساتھ یہ معاملہ کرے تو کفر صریح ہے۔

نبوت کے ختم ہونے کے بارہ میں ہمارے پاس کوئی دو سو حدیثیں ہیں۔ قرآن مجید اور جماع بالفصل ہے۔ اور ہرنس اگلی نے کچھلی سے اس کو کیا ہے۔ اور کوئی مسلمان جو اسلام سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ اس عقیدہ سے غافل نہیں رہتا۔ اس عقیدہ کی تحریف کرنا۔ اور اس سے انحراف کرنا عروج کفر ہے۔ اسلام سے شناخت مسلمانوں کی۔ اور مسلمانوں کے اشنا خاص شناخت ہیں۔ اسلام کی اگر جماع کو درمیان میں سے اٹھا دیا جاوے۔ تو دین سے وہ گیا۔

جو دین محمدی کا اقرار نہ کرے۔ اُسے کافر کہتے ہیں۔ جسے اللہ سے اعتقاد نہ ہو۔ زبان سے کہتا ہو۔ اُسے منافق کہتے ہیں۔ جو زبان سے اقرار کرتا ہو۔ لیکن دین کی حقیقت بدلتا ہو اُسے زندیق کہتے ہیں اور وہ پہلی دو قسموں سے زیادہ شدید کافر ہے۔

ارتداد کے معنی یہ ہیں۔ کہ دین اسلام سے ایک مسلمان کلمہ کفر کہے اور ضروریات و متواترات دین میں سے کسی چیز کا انکار کر کے خارج ہو جائیگا۔ اور ایمان یہ ہے کہ سرور عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلعم جس چیز کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے لائے ہیں۔ اور اُس کا ثبوت بدیہات اسلام سے ہے۔ اور ہر مسلمان خاص و عام اُسے جانتے ہیں۔ اس کی تصدیق کرنا۔

ضروریات دین وہ چیز ہیں۔ کہ جن کو خاص و عوام پہچانیں۔ کہ یہ دین سے ہیں جیسے اعتقاد توحید کا۔ رسالت کا۔ اور پانچ نمازوں کا اور مثل اُن کے اور چیزیں۔

شریعت کے اگر کسی لفظ کو بحال رکھا جا کر اس کی حقیقت کو بدل دیا جاوے۔ اور

وہ معاملہ متواترات سے ہو تو وہ کفر صریح ہے۔ کفر و ایمان کی اس شرعی حقیقت کے بیان کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ کہ ایک مسلمان بعض قسم کے افعال یا اقوال کی وجہ سے کافر اور خارج از اسلام ہو جاتا ہے۔

ختم نبوت کا عقیدہ بایں معنی کہ آنحضرت صلیم کی نبوت کے بعد کسی کو عہدہ نبوت نہ دیا جائے گا۔ لیکن کسی تاویل اور تخصیص کے ان اجماعی عقائد میں سے ہے۔ جو اسلام کے اصولی عقائد میں سے سمجھایا گیا ہے۔ اور آنحضرت صلیم کے عہد سے لیکر آج تک لٹا بعد نہیں ہر مسلمان اس پر ایمان رکھتا ہے۔

اور یہ مسئلہ قرآن مجید کی بہت سے آیات سے اور احادیث متواترہ المعنی سے اور قطعی اجماع امت سے روز روشن کی طرح ثابت ہے۔ اور اس کا منکر قطعاً کافر مانا گیا ہے۔ اور کوئی تاویل و تخصیص اس میں قبول نہیں کی گئی۔ اس میں اگر کوئی تاویل یا تخصیص نکالی جاوے۔ تو وہ شخص ضروریات دین میں تاویل کر نیکی وجہ سے منکر ضروریات دین سمجھا جائیگا۔

یہ اصول ہیں جن کے تحت میں اور بھی ایسے بہت سے فروع موجود ہیں جو مستقل موجبات کفر ہو سکتے ہیں۔

ذریعہ ثانی کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے۔ کہ ایمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر۔ اس کے فرشتوں پر۔ اس کی کتابوں پر۔ اس کے رسولوں پر اور بعث بعد الموت پر اور تقدیر پر یقین رکھا جائے۔ اور اسلام گواہی دینا ہے۔ اس بات کی کہ سولۃ اللہ کے کوئی معبود نہیں اور محمد صلیم اس کے رسول ہیں۔ اور نماز کا ادا کرنا۔ اور زکوٰۃ کا دینا۔ اور رمضان کے روزے رکھنا۔ اور بیت اللہ شریف کا حج ادا کرنا اگر استطاعت ہو۔ اور جو شخص زبان سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہے اور دل سے اس کے مطالب کی تصدیق کرے۔ تو ایسا شخص یقینی طور پر مومن ہے۔ اگرچہ وہ فرائض اور محرمات سے بے خبر ہو۔ اور اسلام کے معنی یہ ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرائض اور محرمات بیان کئے ہیں۔ کہ بعض اشیاء حلال اور بعض حرام ہیں۔ ان پر بلا کسی اعتراض کے اپنی رضا مندی کا اظہار کیا جائے۔

اور جو شخص ان اعمال صالحہ کا پابند ہو۔ کہ جو قرآن مجید میں ایک مومن کا طرزائے امتیاز قرار دیئے گئے ہیں۔ تو وہ شخص مومن اور مسلمان ہے۔

یہ باتیں ایسی ہیں۔ کہ جو ارکانِ اسلام سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور جن کے جزو ایمان ہونے میں فرقی مدعیہ کو بھی کوئی کلام نہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ آیا ان باتوں پر فریق ثانی کا عقیدہ ان اصولوں کے تحت جو فرقی مدعیہ کی طرف سے بیان کئے گئے ہیں۔ ویسا ہی ہے۔ جیسا کہ دیگر عام مسلمانوں کا۔ یا کہ اس سے مختلف۔ کیونکہ مدعیہ کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ جو شخص عقائدِ اسلام ظاہر کرے اور قرآن و حدیث کے اتباع کا دعویٰ بھی کرے لیکن ان کی ایسی تاویل اور تحریف کر دے۔ کہ جس سے ان کے حقائق بدل جائیں۔ تو وہ مسلمان نہیں سمجھا جاسکتا۔

مدعیہ کی طرف سے دین اسلام کے ثبوت کے متعلق جو بنیادی اصول اور قواعد بیان کئے گئے ہیں۔ ان کا مدعا علیہ کی طرف سے کوئی اطمینان بخش جواب نہیں دیا گیا۔ حالانکہ تو اتر اور جماع کے اصولوں کو خود ان کے پیشوا۔ مرزا غلام احمد صاحب نے بھی تسلیم کیا ہے۔

چنانچہ وہ اپنی کتاب ایام الصلح میں لکھتے ہیں۔ کہ وہ امور جو اہلسنت کی جماعی رائے سے اسلام کہلاتے ہیں۔ ان سب کا ماننا فرض ہے۔ ایک دوسری کتاب غلام اہم میں لکھتے ہیں کہ جو شخص اس شریعت پر مقلد ایک ذرہ کے زیادتی کرے۔ یا اس میں سے کسی کرے یا کسی عقیدہ اجماعیہ کا انکار کرے۔ اس پر اللہ کی لعنت اور ملائکہ کی لعنت اور تمام آدمیوں کی لعنت۔ یہ میرا اعتقاد ہے۔ اور کتاب ازالۃ الاولہام صفحہ ۲۳۰ پر لکھتے ہیں کہ تو اتنی جو بات ہے وہ غلط نہیں ٹھہرائی جاسکتی۔ اور تو اترا اگر غیر قوموں کا بھی ہو۔ تو وہ بھی قبول کیا جائیگا۔ مدعیہ کے گواہان کے بیان کر وہ اصول اور قواعد کے مقابلہ میں مدعا علیہ کے گواہان نے جو کچھ بیان کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ علماء اور ائمہ کی اندھی تقلید نہایت مذموم ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ پہلے علماء جو کچھ تفسیروں میں لکھ گئے ہیں۔ ہم آنکھ بند کر کے ان پر ایمان لے آویں۔ بلکہ ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کے فتاویٰ اور اقوال کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلعم اور عقل سلیم کی کسوٹی پر

پر لیں۔ اور جو قرآن اور سنت سے صحیح ثابت ہوا سے اختیار کریں اور مخالف کو چھوڑیں
 کہ جو شخص کسی حدیث کو یا قول کو قرآن مجید کے واقعی طور پر خلاف ثابت کر دے۔ تو اس کا
 قول معتبر ہوگا۔ اور کہ اگر کوئی شخص کسی فن کا امام ہو یا نہ ہو۔ اگر کوئی بات کسی دلیل کے
 ساتھ ثابت کر دے۔ تو وہ مان لی جائے گی۔ صحابہ بھی تفسیر میں غلطی کرتے تھے یہ بیان
 مولوی جلال الدین صاحب شمس گواہ مدعا علیہ کا ہے۔ اس کا دوسرا گواہ بیان کرتا ہے کہ
 کوئی شخص جو کلام کرتا ہے اس کلام کے معنی وہی بہتر سمجھتا ہے۔ اور اس کلام کے
 معنی جو وہ بیان کرے گا یا تاویل کرے گا وہی مقدم ہوگی۔ اور کہ گواہ مذکور کے نزدیک
 قرآن مجید کے سوا اور کوئی چیز مسلم نہیں۔ سوائے اس کے کہ جو قرآن مجید سے تطابق رکھتی
 ہو۔ اور جو قرآن شریف کو پڑھتا ہے وہ خود تطابق کر سکتا ہے۔ اور میرے لئے قرآن شریف
 کی مطابقت دیکھنے کے لئے میرے واجب الاطاعت اماموں کی بیان فرمودہ مطابقت
 یا میری اپنی مطابقت مسلم ہے۔ اور کہ ہر وہ بات جس کی تائید قرآن شریف سے نہیں ہوتی
 اور قرآن شریف کی تصدیق یافتہ احادیث نبویہ سے بھی جس کلام کی تصدیق نہیں ہوتی۔ یا
 اماموں کے ایسے اقوال کہ جن اقوال کی تصدیق قرآن اور حدیث سے نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ
 اور مصنفین کی کتابیں جن کی تصدیق قرآن اور حدیث سے نہیں ہوتی۔ وہ مجبوراً حجت نہیں ہیں۔
 اور کہ قرآن کی تفسیر کیلئے کسی خاص شخص کی تعین نہیں۔ کہ وہ جو معنی کرے گا۔ خواہ وہ کیسے
 ہی ہوں۔ اس کو مانا جاوے۔ اور اس کے خلاف معنی کو روکنا جاوے۔ اگر صحابہ سے
 کوئی صحیح تغیر ثابت ہو جائے جس کے خلاف قرآن کی کوئی تصریح نہ ہو۔ اور صحیح مرفوع
 متصل حدیثوں کی بھی تصریح نہ ہو۔ زبان عربی کی بھی کوئی تصریح ان معنوں کے خلاف نہ
 ہو۔ وہ بہر حال مسترد ہوگی۔ اور اس کے خلاف معنی کرنے والے کو محض اس لئے
 کہ وہ ان معنوں کے خلاف کر رہا ہے۔ حاطی نہیں کہا جاسکتا۔ جب تک کہ قرآنی تصریح
 کے خلاف معنی ان کے صحابہ اور صحابہ کرام کی طرف منسوب شدہ بات کہ
 انہوں نے کی ہے یا کہی ہے۔ یا تحقیق کی ہے۔ اگر قرآن شریف کے مطابق ہے
 تو قابل قبول ہے۔ اگر صحابہ کرام کی طرف منسوب شدہ بات کو ثابت شدہ اس

لحاظ سے کہا جاتا ہے۔ کہ ان تک روایت پہنچتی ہے، تو اس کی کوئی حقیقت نہیں۔
 اگر کسی غیر صحابی کی تحقیق بشرطیکہ قرآن شریف کی صحیح نصوص کے مطابق ہو۔
 عربی زبان کی سند ساتھ رکھتی ہو، دیگر احادیث میں بھی تائید رکھتی ہو، تو صحابی کی تحقیق سے
 مقدم ہے۔ ان مشرانہ کے بغیر اگر کوئی غیر صحابی کوئی تحقیق پیش کرتا ہے، اگر وہ
 پیش کرے وہاں لاخدا کی طرف سے ملہم اور مامور نہیں ہے، کہ جس کی وحی والہام کی تصدیق
 قرآن پاک کی تصریحات سے ہو چکی ہو، بلکہ عام شخص ہے۔ تو اس کی ذاتی رائے
 اوپر کی مشرانہ سے علیحدہ کر کے صحابی کی بیان کردہ تصدیح سے سننے والے
 اور ماننے والے کے اختیار پر ہوگی، کہ اُسے راجع سمجھے یا نہ سمجھے، کسی حدیث کو قرآن
 کی مطابقت میں صحیح قرار دینے والا خود مختار ہے کہ وہ اپنے استدلال کی
 رو سے اُسے مطابق قرار دے، یا تصریح کے لحاظ سے مطابق قرار دے۔
 اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہر ذوق کے بیان کردہ اصولوں میں سے
 معقولیت کس میں ہے، ایک تو اپنے دین کی بنیاد چند منظم اصولوں پر کہ جن کو خدا
 کی قوت حاصل ہے، قائم کر کے اُسے بطور ایک ضابطہ اور قانون کے پیش کرتا ہے۔
 دوسرا اُسے ایک کھلونا بنا کر سرس و ناکس کے ہاتھ میں دے دیتا ہے، اور بجائے
 اس کے کہ دین کو ایک مستقل لائحہ عمل سمجھا جاوے، اُسے ہر لمحہ دہران تغیر تبدیل کا متحمل
 قرار دیتے ہوئے ایک بازیچہ اطفال بنا دیتا ہے۔ کیونکہ اس کے نزدیک ہر شخص اس
 بات کا اہل اور مجاز ہو سکتا ہے، کہ وہ جب چاہے بلا روک ٹوک اپنے اجتہاد کی بناء
 پر ایک نیا رستہ نکال کر اُس پر چلنا شروع کرے، اور نہ کسی صحابی، نہ کسی امام، نہ
 کسی بزرگ، نہ کسی دوسرے ماہرین کی کوئی پرواہ کرے، بلکہ شارع کے جس قول کو
 وہ درست سمجھے، اور اُس کا معنی جو وہ قرار دے، اس کے مطابق عمل کرے
 اور اگر اُسے کوئی گرفت کرے تو فوراً اپنے قول کی کوئی تاویل گھرد کر
 پیش کر دے، اور چونکہ وہ تاویل مقدم سمجھی جائے گی، اس لئے کوئی بھی اس
 کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا، اور پیارہ گرفت کرنے والا منہ کی کھا کر چپ ہو جائے گا، اس

اصول کے تحت نہ صرف کسی دین کی بلکہ کسی قانون کی کوئی حقیقت نہیں رہتی کیونکہ اس قسم کی دست سراسر ضابطہ میں کہ جس کا احاطہ بطور قانون مقصود ہو منظور ہو سکتی ہے۔ اور اس صورت میں اس پر کبھی بھی عملدرآمد نہیں ہو سکتا اور وہ محض لفظ ہی لفظ رہ جاتا ہے۔

اگر ان اصولوں کو سربلوت ثانی کی طرف سے بیان کے لئے نہیں بروئے کار لایا جاوے۔ تو دین نہ صرف دین کہلانے جانیکا ہی مستحق نہیں رہتا۔ بلکہ ایک مفکرانگیز چیز بن جاتا ہے۔ اور بجائے اس کے کہ اس میں کوئی یکسانیت پیدا کی جاسکے ہر شخص انفرادی حیثیت سے اپنی منشاء کے مطابق اپنے لئے ایک علیحدہ دین بنا سکے گا۔

مذکورہ بالا تصریحات سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ مرزا صاحب کے دعوے سے قبل دین اسلام جن باتوں پر قائم تھا۔ اب کوئی ان کی اصلیت اور بنا نہیں رہی۔ اور اب بنا صرف مرزا صاحب اور ان کے خلفاء کے اقوال و عقائد پر ہی ہے کیونکہ سربلوت ثانی کے نزدیک اب ان اصحاب کے سوا نہ کسی پہلے صحابی کی۔ نہ امام کی۔ نہ بزرگ کی کوئی بات مقدم اور صحیح ہے۔ بلکہ جو کچھ مرزا صاحب اور ان کے خلفاء نے کہا ہے۔ اور لکھا ہے۔ وہی درست ہے۔ اور ان کی کتابوں کے سوا اور کوئی کتاب حجت نہیں ہے۔ اس سے صاف طور پر یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کا دین اس دین اسلام سے مختلف ہے، جو مرزا صاحب کے دعوے سے قبل مسلمان سمجھے آتے ہیں۔ اس لئے مدعیہ کی طرف سے بجا طور پر کہا گیا ہے کہ مذہب کے لحاظ سے ہر دین فریق میں قانون کا اختلاف ہے۔ اور مدعیہ کی طرف سے بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ ان کے درمیان اصولی اختلاف بھی ہے۔ اور فروری بھی۔ اور سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ بیان کرتے ہیں کہ احمدی مذہب دلے نے بہات دین کے بہت سے اصولوں کو تبدیل کر دیا ہے۔ اور بہت سے اسرار کا مسنی بدل دیا ہے۔ آگے ظاہر ہو جائیگا کہ اس میں کہاں تک صداقت ہے۔

اب وہ عقائد بیان کئے جاتے ہیں کہ جن کو بنا پر فرق ثانی کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ وہ مرتد اور کافر ہے۔ اس ضمن میں اہم وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ وہ مرزا غلام احمد صاحب کو بنی مانتا ہے۔ اس لئے یہ دکھانا پڑے گا کہ مرزا صاحب کے اعتقادات کیسے ہیں۔ اور کیا وہ بنی ہو سکتے ہیں یا نہ۔ اور ان کو بنی ماننے سے کیا قباحت لازم آتی ہے۔ اور کیا ان کے اقوال ایسے ہیں کہ ان کی بناء پر انہیں مسلمان قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس لئے ان کے اتباع سے مدعا علیہ کو بھی مسلمان نہیں سمجھا جاسکتا۔ سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے ان اصولوں کے تحت جو ان کے بیان کے حوالہ سے اوپر بیان کئے جا چکے ہیں۔ چھ وجوہات ایسی بیان کی ہیں کہ جن کی بناء پر ان کے نزدیک مرزا صاحب با جماع امت کافر اور مرتد قرار دیئے جاسکتے ہیں۔ اور جن کی وجہ سے ان کی رائے میں ہندوستان کے تمام اسلامی فرقے باوجود سخت اختلاف خیال اور اختلاف مشرب کے ان کے کفر و ارتداد اور ان کے متبعین کے کفر و ارتداد پر متفق ہیں۔ یہ وجوہات حسب ذیل ہیں۔

۱۱۔ ختم نبوتہ کا انکار اور اس کے جماعی معنی کی تحریف اور جس مذہب میں سلسلہ نبوت منقطع ہو۔ اسی کو لعنتی اور شیطانی مذہب قرار دینا۔

۱۲۔ دعویٰ نبوتہ مطلقہ و تشریعی

۱۳۔ دعویٰ وحی اور اپنی وحی کو قرآن کے برابر قرار دینا۔

۱۴۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین۔

۱۵۔ آنحضرت صلعم کی توہین۔

۱۶۔ ساری امت کو بجز اپنے متبعین کے کافر کہنا۔

تقریباً یہی وجوہات دیگر گواہان مدعیہ نے بھی بیان کی ہیں۔ اب ذیل میں حسب بیانات گواہان مذکور ان وجوہات کی تشریح درج کی جاتی ہے۔

امور اتنا ۱۳ ایک ہی نوعیت کے ہیں۔ لہذا ان پر جو بحث کی گئی ہے وہ یکساں درج کی جاتی ہے۔ اس ضمن میں مرزا صاحب کے حسب ذیل اقوال پر جو ان کی مطبوعہ کتب

میں موجود ہیں۔ اعتراض کیا گیا ہے۔

۱۔ ادائلی میں میرا بھی عقیدہ تھا۔ کہ تمہیں مسیح ابن مریم سے کیا نسبت۔ وہ نبی ہے۔ اور خدا کے بزرگ مقربین میں سے ہے۔ اور اگر کوئی امر میری فضیلت کی نسبت ظاہر ہوتا۔ تو اس کو جزوی فضیلت قرار دیتا تھا۔ مگر بعد میں جو خدا تعالیٰ کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی۔ اُس نے مجھے اس عقیدہ پر قائم نہ رہنے دیا۔ اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا حقیقت الوحی صفحہ ۱۲۹

۲۔ الہامات میں میری نسبت بار بار بیان کیا گیا کہ یہ خدا کا فرستادہ۔ خدا کا مامور۔ خدا کا امین اور خدا کی طرف سے آیا ہے۔ جو کچھ کہتا ہے۔ اُس پر ایمان لاؤ اور اُس کا دشمن جہنمی ہے (انجام اتہم صفحہ ۶۲)

۱۳۔ مجھے اپنے وحی پر ویسا ہی ایمان ہے۔ جیسا کہ توراہ۔ انجیل اور قرآن پاک پر۔ اور کیا انہیں مجھ سے یہ توقع ہو سکتی ہے۔ کہ میں ان کی ظنیات بلکہ موضوعات کے ذخیرہ کو سنکر اپنے یقین کو چھوڑ دوں گا۔

۱۴۔ میں اس پاک وحی پر ایسا ہی ایمان لاتا ہوں۔ جیسا کہ ان تمام خدا کی وحی پر ایمان لاتا ہوں۔ جو مجھ سے پہلے سوچکی ہیں (حقیقت الوحی صفحہ ۱۵۱)

۱۵۔ ہاں یہ نبوت تشریحی نہیں جو کتاب اللہ کو منسوخ کرے اور نئی کتاب لائے ایسے دعویٰ کو تو ہم کفر سمجھتے ہیں۔ ضمیر حقیقت النبوة صفحہ ۲۷۲

۱۶۔ اگر کہو کہ صاحب شریعت افتراء کر کے ہلاک ہوا ہے۔ نہ کہ ہر مفسری۔ تو اول تو یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ خدا نے افتراء کے ساتھ شریعت کی قید نہیں لگائی۔ ماسوا اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے۔ جس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے چند امر وہی بیان کئے۔ اور اپنی امت کے لئے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب شریعت ہو گیا۔ پس اس تعریف کی نوبت سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں۔ کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہے۔ اور نہی بھی۔ اور ایسا ہی اب تک میری وحی میں امر بھی ہوتے ہیں اور نہی بھی۔ اور اگر

کہو۔ کہ شریعت سے وہ شریعت مراد ہے جس میں نئے احکام ہوں۔ تو یہ باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **إِنَّ هَذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ**۔ یعنی قرآنی تعلیم نوراۃ میں بھی موجود ہے۔ اور اگر یہ کہو کہ شریعت وہ ہے جس میں باستیفاء امر و نہی کا ذکر ہو۔ تو یہ بھی باطل ہے۔ کیونکہ اگر تورات اور قرآن شریف میں باستیفاء احکام شریعت کا ذکر ہوتا تو پھر اجتہاد کی گنجائش نہ رہتی۔ غرض یہ سب خیالات فضول اور کوتاہ اندیشیاں ہیں (اربعین ص ۶)۔

اس کتاب کے حاشیہ صفحہ ۷ پر لکھتے ہیں۔ کیونکہ میری تعلیم میں امر بھی ہے۔ اور نہی بھی۔ اور شریعت کے ضروری احکام کی تحدید ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے میری تعلیم کو اور اس وحی کو جو میرے پر ہوتی ہے۔ فلک یعنی کشتی کے نام سے موسوم کیا ہے۔ جیسا کہ ایک امام کی یہ عبادت ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ اس کشتی کو ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی سے بنا جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ خدا سے بیعت کرتے ہیں۔ یہ خدا کا لاکھ ہے۔ جو ان کے ہاتھوں پہنچے۔

اب دیکھو خدا نے میری وحی۔ میری تعلیم اور میری بیعت کو نوح کی کشتی قرار دیا ہے۔ اور تمام انسانوں کیلئے اس کو مدارجات ٹھہرایا ہے۔ جس کی آنکھیں ہوں دیکھے۔ جس کے کان ہوں سنے۔

۸۔ بنی کے حقیقی معنوں پر غور نہیں کی گئی۔ بنی کے معنی صرف یہ ہیں کہ خدا سے بذریعہ وحی خبر پانے والا ہو۔ اور شرف مکالمہ و مخاطبہ الہیہ سے مشرف ہو۔ شریعت کا لانا اس کیلئے ضروری نہیں۔ اور نہ یہ ضروری ہے۔ کہ صاحب شریعت رسول کا متبع ہو بلکہ فساد اس حالت میں لازم آتا ہے کہ اس امت کو آنحضرت کے بعد قیامت تک مکالمات الہیہ سے بے نصیب قرار دیا جاوے۔ وہ دین۔ دین نہیں۔ نہ وہ بنی۔ بنی ہے جس کی متابعت

سے انسان خدا تعالیٰ سے اس قدر نزدیک نہیں ہو سکتا کہ مکالمات الہیہ سے مشرف ہو سکے۔ وہ دین لغتی اور قابل نفرت ہے۔ جو یہ سکھلاتا ہے کہ صرف چند منقولی باتوں پر انسانی ترقیات کا انحصار ہے۔ اور وحی الہی آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی۔ اگر کوئی آواز بھی غیب سے کسی کے کان تک پہنچتی ہے تو وہ ایسی مشتبہ آواز ہے کہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ خدائی آواز ہے۔ یا شیطان کی۔ سو ایسا دین بہ نسبت اس کے کہ اس کو رحمانی کہیں شیطانی کہلانے کا زیادہ مستحق ہے (ضمیمہ برابین اصدیہ صفحہ ۱۳۹)

۱۹۔ سچا خدا وہی خدا ہے۔ جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا
(دافع البلاء صفحہ ۱۱)

۱۰۔ اور مجھے بتلایا گیا تھا کہ تیری خبر قرآن و حدیث میں موجود ہے۔ اور تو ہی اس آیت کا مصداق ہے۔ **هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ**
..... الخ اعجاز احمدی صفحہ ۷۷

۱۱۔ میں صرف پنجاب کے لئے ہی مبعوث نہیں ہوا ہوں بلکہ جہاں تک دنیا کی آبادی ہے ان سب کی اصلاح کی واسطے مامور ہوں رحاشیہ حقیقت الوحی
(صفحہ ۱۹۲)

۱۲۔ یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اپنے دعوے کے انکار کرنے والے کو کافر کہتا ہے صرف ان نبیوں کی شان ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدیدہ لاتے ہیں۔ لیکن صاحب شریعت کے سوا جس قدر ملہم۔ محدث ہیں گو وہ کیسے ہی جناب الہی میں شان اعلیٰ رکھتے ہوں۔ اور خلعت مکالمہ الہیہ سے مرفراز ہوں ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن جاتا۔ ماشیہ دریاق القلوب صفحہ ۳۲۵ و ۳۲۶

۱۳۔ حقیقت الوحی صفحہ ۱۰۳ پر عبادت ذیل جاد فی آئین و اشار کے تحت ایک نوٹ ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ اس جگہ آئین خدا تعالیٰ نے جبریل کا نام رکھا ہے۔ اس لئے بار بار رجوع کرتا ہے۔

۱۴۔ غرض اس حصہ کثیر وحی الہی اور امور غیبیہ میں اس اُمت میں سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں۔ اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء ابدال اور اقطاب اس اُمت میں سے گزر چکے ہیں۔ ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔ پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کیلئے میں ہی مخصوص کیا گیا۔ اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں ہیں۔ کیونکہ کثرت وحی اور کثرت امور غیبیہ اس میں شرط ہے۔ اور وہ شرط انہیں پائی نہیں جاتی۔

۱۵۔ حسب تصریح قرآن کریم رسول اس کو کہتے ہیں کہ جس نے احکام و عقائد دین جبرئیل کے ذریعہ سے حاصل کئے ہوں۔ (اذالۃ الاولیاء ص ۲۲۱)

۱۶۔ حقیقت الوحی میں ایک وحی بالفاظ ذیل درج ہے۔ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِسْمُکَ مَعْلُوْمٌ لِّکَھْتَمِہٖ مِنْ اِسْمِیْ رَاہِیْ مِیْرَاہِیْ مُحَمَّدٌ رَکَّھَا کَیْ۔ اور رسول بھی۔

۱۷۔ حقیقت الوحی صفحہ ۲۸ پر لکھتے ہیں۔ مگر غلطی نبوتہ جس کے معنی ہیں کہ محض فیض محمدی سے وحی پانا۔ وہ قیامت تک باقی رہے گی۔

۱۸۔ کتاب حق الیقین صفحہ ۱۰۲ پر مرزا صاحب کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ علماء کو نبوتہ کا مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ قرآن کریم میں جو خاتم النبیین کا لفظ آیا ہے جس پر الف۔ لام پڑے ہیں۔ اس سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ شریعت لایزالی نبوتہ اب بند ہو چکی ہے۔ پس اگر کوئی نئی شریعت کا مدعی ہوگا۔ وہ کافر ہے۔

ان حوالہ جات سے جو نتائج اخذ کئے گئے ہیں۔ وہ بالفاظ مولوی مرتضیٰ حسن صاحب گواہ دعوہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں۔ کہ جناب مرزا صاحب اور مرزا محمود صاحب اور ان کے تمام متبعین کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلعم کے بعد نبوتہ تشریحی کا دروازہ بند ہے۔ آپ کے بعد جو نبوت تشریحی کا دعویٰ کرے۔ وہ کافر اور اسلا سے خارج ہے۔ قول میں مرزا صاحب نے اپنی تشریحی نبوت کا کھلے الفاظ میں دعوے کیا ہے۔ اور اس میں چند باتوں کی

تشریح مرزا صاحب نے خود فرمائی۔ ایک یہ کہ شریعت کیا چیز ہے، جس کی وحی میں امر یا نہی ہو۔ جس نے اپنی اُمت کے لئے کوئی قانون مقدر کیا ہو۔ وہی صاحب شریعت ہو گیا۔ یہ تعریف کر کے مرزا صاحب اپنا صاحب شریعت ہونا ثابت کرتے ہیں۔ اس لئے مرزا صاحب اپنے اقرار سے خود کافر ہو گئے۔ مرزا صاحب نے یہ بھی صاف فرمایا ہے کہ وحی میں جو حکم یا نہی ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ حکم نیا ہو۔ بلکہ اگر پہلی شریعت کا بھی حکم اُس کے پاس بذریعہ وحی کے آئے تو بھی یہ صاحب شریعت ہونے کیلئے کافی ہے۔ مرزا صاحب نے اپنی بہت سی وحی وہ بیان کی ہے جو کہ آیاتِ قرآنی ہیں۔ اس لئے وہ بھی مرزا صاحب کی شریعت ہو گئی۔ مرزا صاحب نے اس شبہ کا بھی جواب دیدیا کہ صاحب شریعت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس کی شریعت میں نئے احکام ہوں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ کہ یہ قرآن پہلی کتابوں میں بھی ہے ابراہیم اور موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں بھی۔ اب اگر شریعت جدید کے لئے یہ ضروری ہو کہ اُس نبی کی شریعت اور وحی اور کتاب میں سب نئے احکام ہوں۔ تو لازم آتا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی صاحب شریعت نہوں۔ کیونکہ قرآن میں سارے احکام نئے نہیں۔ اس کلام کا صاف مطلب یہ ہے کہ جس طرح پہلے انبیاء اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صاحب شریعت نبی ہیں۔ ویسے ہی مرزا صاحب بھی صاحب شریعت نبی ہیں۔

مرزا صاحب نے یہ بھی صاف کر دیا۔ کہ اگر کوئی یہ کہے کہ شریعت کیلئے یہ ضروری ہے۔ کہ تمام اوامر و نواہی اس شریعت اور کتاب اور وحی میں پورے پورے بیان ہونے چاہئیں تو یہ بھی باطل ہے۔ کیونکہ تمام احکام تورات اور قرآن مجید میں بھی مذکور نہیں۔ اگر تمام احکام قرآن مجید میں مذکور ہوتے۔ تو پھر اجتہاد کی گنجائش باقی نہ رہتی۔ اس سے معلوم ہو گیا۔ کہ اگر کوئی مدعی نبوت ایک امر و نہی کا بھی دعوے کرے اگرچہ وہ امر و نہی پرانی ہو۔ تو وہ نبی صاحب شریعت کہلا یا جائیگا۔ اور اس میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بائیں معنی کو فرق نہیں۔ کہ یہ دونوں صاحب شریعت ہیں۔

یہ بات بھی ثابت ہو گئی۔ کہ اگر کسی نبی کو خدا کا بھی حکم آوے۔ کہ تمھیں کوہم نے
 نبی کر کے بھیجا ہے۔ اور تو لوگوں پر اس حکم کی تبلیغ کر اور جو کوئی اس حکم کو نہ
 مانگا وہ کافر ہے۔ تو وہ نبی بھی صاحبِ شریعت اور نبی تشریحی ہو گیا۔ اس
 سے یہ بھی ثابت ہو گیا۔ کہ جو نبی حقیقی ہے۔ اور جو نبی شرعی ہے۔ اس کیلئے نبی تشریحی
 ہونا ضروری ہے۔ اس لئے مرزا صاحب اپنی تحریر اور اس اقرار کے مطابق کافر ہوئے۔
 اس کے علاوہ مرزا صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ میری کشتی کو کشتی نوح قرار دیا گیا
 ہے۔ جو اس میں ہوگا۔ وہ نجات پائیگا۔ اور جو ایسا نہ ہوگا وہ نپلاک ہوگا۔ یہ مرزا صاحب کی شریعت
 کا نیا حکم ہے۔ جس نے شریعتِ محمدیہ کو منسوخ کیا۔ مرزا صاحب نے ایک نیا حکم
 یہ بھی دیا ہے۔ کہ ان کی عورتوں کا نکاح غیبی احمدیوں سے جائز نہیں۔ یہ بھی حکم
 شریعتِ محمدیہ کے خلاف ہے۔

ذیہ نتیجہ بحوالہ کتاب الوار الخ لافتر مرتبہ مرزا محمود صاحب صفحہ ۹۳۔ ۹۴
 اخذ کیا گیا ہے) مرزا صاحب کی شریعت میں ایک نیا حکم اور یہ بھی ہے۔ جو تمام
 اسلام کے خلاف ہے۔ کہ مرزا صاحب نے اپنے مریدوں سے چپدرہ کی تحریک فرما کر
 یہ حکم فرمایا ہے کہ جو کوئی چپدرہ تین ماہ تک ادا نہ کرے لگا۔ وہ میری بیعت سے
 خارج ہے۔ اور بیعت سے خارج ہونا نیک مطلب یہ ہے۔ کہ وہ اسلام سے خارج
 ہے۔ اور کافر ہے۔ حالانکہ زکوٰۃ کیلئے بھی خدا نے یہ حکم نہیں دیا۔ کہ اگر تین ماہ
 تک کوئی زکوٰۃ نہ دے۔ تو وہ اسلام سے خارج ہو جائیگا۔ یہ حوالہ مرزا صاحب کے
 ایک فرمان سے جو لوحِ ہدی میں تادیان سے دسمبر ۱۹۲۱ء میں شائع ہوئی دیا گیا ہے
 اس فرمان کے چپدرہ جدیدہ الفاظ حسبِ ذیل ہیں۔

مجھے خدا نے بتلایا ہے کہ میری انہی سے پوند ہے۔ یعنی وہی خدا کے دوزخ
 میں مرید ہیں جو اعانت اور نصرت میں مشغول ہیں۔۔۔۔۔ ہر ایک شخص جو مرید
 ہے۔ اس کو چاہئے کہ وہ اپنے نفس پر کچھ مہوار مقرر کر دے۔۔۔۔۔ جو شخص
 کچھ بھی متسر نہیں کرتا۔۔۔۔۔ وہ منافق ہے۔ اب اس کے بعد وہ اس سلسلہ میں

نہیں رہ سکیگا..... اگر تین ماہ تک کسی کا جواب نہ آیا تو سلسلہ بعیت سے اس کا نام کاٹ دیا جائیگا۔

اس کے آگے گواہ مذکور آیت مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ کے حوالہ سے بیان کرتا ہے۔ کہ آیت اس امر کی تصریح کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور جب کوئی نبی آپ کے بعد نہیں۔ تو کوئی رسول بھی آپ کے بعد بطریق اولیٰ نہیں۔ کیونکہ رسول نبی ہوتا ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ جو نبی ہو وہ رسول بھی ہو۔ اور اس کی تائید میں احادیث متواترہ ہیں۔ جن کو صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔ ایسی احادیث کا انکار کرنا اولیٰ ویسا ہی کافر ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کا انکار کرنے والا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو ختم نبوت کا انکار کرتا ہے۔ وہ قرآن کا منکر ہو کر بھی کافر ہوا۔ اس کی تائید میں انہوں نے چند ائمہ دین کے اقوال نقل کئے ہیں۔ اور ان سے یہ دکھلانا چاہا ہے۔ کہ احادیث متواترہ میں یہ خبر درج ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی پیدا ہو نہ سکتا ہے۔ اور کہ ہر وہ شخص جو آپ کے بعد اس مقام نبوت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا اور افتراء پر واز ہے۔ و حال اور گمراہ کرنے والا ہے۔ اگرچہ شیعہ ربازی کرے۔ قسم قسم کے جادو اور طلسم اور نیرنگیاں دکھلانے اور کہ جو شخص دعویٰ نبوت کرے وہ کافر ہے۔ اور پھر ان حوالہ جات سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ عقیدہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ یقینی ہے۔ اور اجتماعی ہے کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے۔ کتاب اور سنت سے ثابت ہے۔ اور آپ کے بعد کوئی کسی قسم کی نبوت میں نبی نہ بنے گا۔ علیہ السلام کا انما اس کا منافی نہیں۔ کیونکہ وہ پہلے نبی بن چکے ہیں خاتم الانبیاء کے معنی بھی یہی ہیں۔ کہ اپنے عموم سے کسی نبی کو نبوت آپ کے بعد نہیں مل سکتی۔ اس کی تائید میں چند دیگر آیات و احادیث بھی پیش کی گئی ہیں جن کی یہاں تفصیل کی ضرورت نہیں اور ان کا حوالہ دیا جا کر یہ نتیجہ حذ کیا گیا ہے۔ کہ انکار ختم نبوت۔ کفر اور دعویٰ نبوت بھی کفر اور ادعا و حمی بھی کفر ہے۔ البتہ ایک حدیث

کا یہاں حوالہ دینا ضروری معلوم ہوتا ہے جس پر آگے مدعا علیہ کے جواب کے وقت بحث
 کی جاوے گی۔ وہ حدیث باہن مطلب ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میری
 مثال اور ان انبیاء کی مثال جو مجھ سے پہلے تھے۔ اس شخص کی سی ہے۔ کہ جس نے ایک
 مکان تعمیر کیا۔ اور بہت اچھا اور بہت خوبصورت اس کو بنا یا۔ مگر اس کے کونے میں ایک
 اینٹ کی جگہ باقی رہی۔ لوگ اس مکان کو دیکھتے ہیں۔ اور تعجب کرتے ہیں اور کہتے
 ہیں کہ یہ اینٹ کی جگہ خالی ہے۔ اس کو کیوں پرنہ کرنا گیا۔ سو میں ہوں وہ اینٹ
 اور میں ہوں خاتم النبیین۔ اس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ کہ تعمیر بہت نبوت
 جو ابتدائے فریض سے ہوئی تھی۔ وہ بدوں سرور عالم صلعم کے ناقص تھی۔ سرور عالم کے
 وجود باوجود سے وہ مکمل ہو گئی۔ اور بہت النبوة میں کوئی جگہ باقی نہیں رہی۔ اب
 اگر کوئی اینٹ ہوگی تو وہ بہت النبوة سے نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی شخص مدعی
 نبوت ہوگا۔ تو خدا نے جو نبوت کا گھر تعمیر کیا ہے۔ وہ اس کا جزو نہیں ہو سکتی۔

مرزا صاحب کے قول سے اسے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ قرآن کریم سے صراحتاً
 یہ بات معلوم ہوئی۔ کہ رسول اس کو کہتے ہیں جس نے احکام و قواعد دین جبرائیل علیہ السلام
 کے ذریعہ سے حاصل کئے ہوں۔ اگر مرزا صاحب نے احکام و عقائد اس ذریعہ سے
 حاصل نہیں کئے۔ تو دعویٰ نبوت جھوٹ ہوا۔ اور جھوٹا مدعی نبوت باتفاق کافر و مولج ہے۔
 مرزا صاحب کے قول سے ۱۳ سے مولوی نجم الدین صاحب گواد مدعیہ نے یہ نتیجہ اخذ کیا
 ہے کہ مرزا صاحب اپنے پر جبرائیل علیہ السلام کے نزول کے مدعی ہیں۔ اور صرف دعویٰ
 پر ہی اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ اپنی شان نبوت و رسالت کا سکہ جانے کے لئے تمام خصوصیات
 نبوتہ و لوازمات رسالت کو نہایت جزم اور وثوق کیا تھا اپنی ذات کیلئے ثابت کرنے
 میں کسر نہیں چھوڑی۔ جن خصوصیات کی وجہ سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام
 کی جماعت دوسرے مقربان بارگاہ الہی سے ممتاز ہو سکتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام
 پر بھی نزول جبرائیل ہوا کرتا ہے۔ اور ان کے وحی و الہام قطعی و یقینی ہوا
 کرتے ہیں۔ اس طرح مرزا صاحب بھی اپنے وحی کو خدا کا کلام کہتے ہیں۔ اور

قرآن شریف کی طرح قطعی کہتے ہیں۔ یہ خصوصیات مذکورہ ایسی ہیں۔ جو سوائے نبی سے
 علیہم الصلوٰۃ والسلام اصحاب شریعت کے اور کسی دوسرے مقرب بارگاہ الہی
 میں گنج نہیں ہو سکتیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ مرزا صاحب حقیقی نبوت کے
 مدعی تھے۔ اور اپنے آپ کو اس معنی میں نبی اور رسول ظاہر کہتے تھے جس
 معنی میں دو سزا نبی علیہم السلام کو نبی یا رسول کہا گیا ہے۔

گو ان مدعی نے خود مرزا صاحب کی اپنی تحریرات سے بھی یہ دکھلایا
 ہے۔ کہ وہ خود قبل از دعویٰ نبوت یہی عقیدہ رکھتے تھے۔ کہ رسول اللہ
 صلعم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ اور کہ آپ آخری نبی ہونے کے معنوں میں
 خاتم النبیین ہیں چنانچہ انزالہ الامم کے صفحہ ۵۱۲ پر مرزا صاحب لکھتے ہیں۔ کہ
 نبی کیونکر آسکتا ہے۔ اور خاتم النبیین کی دیوار ورنہ اس کو آنے سے روکتی ہے
 آگے اس کتاب کے صفحہ ۵۳ پر لکھتے ہیں۔ لیکن وحی نبوت پر تو تیرہ سو برس سے
 مہر لگ چکی۔ کیا یہ مہر اس وقت ٹوٹ جائے گی اور کتاب حمامتہ البشریٰ میں
 آیت **كَانَ مُحَمَّدٌ..... خَاتَمَ النَّبِيِّنَ** کی تشریح
 میں لکھتے ہیں۔ ہمارے نبی صلعم خاتم النبیین ہیں۔ بغیر کسی استثناء کے
 اور ہمارے نبی صلعم نے بھی ارشاد فرمایا ہے۔ کہ ہمارے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔
 اور ہمارے نبی صلعم کے بعد اگر ہم کسی نبی کے ظہور کے مجوز نہیں گے۔ تو نبوت کل دروازہ
 بند ہونے کے بعد اس کو کھولنے کے قائل ہو جائیں گے۔ اور یہ اللہ کے وعدہ کے
 خلاف ہے۔ ہمارے نبی صلعم کے بعد کس طرح کوئی نبی آسکتا۔ حالانکہ آپ
 کے بعد وحی کا انقطاع ہو چکا ہے۔ اور نبی آپ کیساتھ ختم ہو چکے ہیں۔ پھر اس کتاب
 کے صفحہ ۱۲ پر لکھتے ہیں۔ کہ ہزار ہا سال کے گزرنے کے بعد کسی ایسی حالت کا انتظار
 کیا جاسکتا ہے۔ جس میں دین کی تکمیل ہو۔ اگر یہ مانا جائے تو دین کی تکمیل اور اس کے
 کمال سے فراعنت کا سلسلہ بالکل غلط ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول
 کہ **الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ** جھوٹی خبر ہو گئی۔ اور خلاف واقع

ہو گئی۔ اسی کتاب کے صفحہ ۹۶ کے ایک حوالہ سے یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ مرزا صاحب بھی
 پہلے دعویٰ نبوت کو کفر سمجھتے تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا
 کہ میں نبوت کا دعویٰ کروں۔ اور اسلام سے نکل جاؤں اور قوم کافرین کے ساتھ
 لجاؤں۔ ازالۃ الاموال صفحہ ۲۲ پر لکھتے ہیں۔ کہ یہ ظاہر ہے کہ یہ بات مستلزم
 محال ہے۔ کہ خاتم النبیین کے بعد پھر جبرائیل کی وحی رسالت کیسا تھا زمین پر آمد و رفت
 شروع ہو جائے۔ لہٰذا نئی کتاب اللہ کو مضمون قرآن شریف سے تواریخ رکھتی ہو پیدا
 ہو جائے جو امر مستلزم محال ہے۔ وہ محال ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے بعد پھر یہ تحریر
 فرمایا کہ میں بھی نہیں اس طرح بشریت کے محدود علم کی وجہ سے یہی اعتقاد
 رکھتا تھا۔ کہ عیسیٰ ابن مریم آسمان سے نازل ہوگا۔ اور باوجود اس بات کے کہ خدا تعالیٰ
 نے براہین احمدیہ حصص سابقہ میں میرا نام عیسیٰ رکھا۔ اور جو قرآن شریف کی
 آیتیں پیش گوئی کے طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب تھیں وہ سب
 آیتیں میری طرف منسوب کر دیں اور یہ فرمایا کہ تمہارے آئینکی خیر قرآن اور حدیث
 میں موجود ہے۔ مگر پھر بھی میں متنبہ نہ ہوا۔ اور براہین احمدیہ حصص سابقہ
 میں وہی غلط عقیدہ اپنی رائے کے طور پر بکھردیا۔ اور شائع کر دیا۔ کہ حضرت
 عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے۔ اور میری آنکھیں اس وقت تک بالکل
 بند رہیں جب تک کہ خدا نے بار بار کھول کر محکومہ سمجھایا کہ عیسیٰ ابن مریم اسرائیلی
 نوزت ہو چکا۔ اور وہ واپس نہیں آئے گا۔ (براہین احمدیہ جلد پنجم صفحہ ۹۶)
 ایک اور جگہ کتاب حقیقت النبوة صفحات ۲۶۵ پر لکھتے ہیں کہ آنحضرت
 صلعم کے بعد درحقیقت خاتم النبیین تھے۔ مجھے نبی اور رسول کے لفظ سے پکارا
 جانا کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے۔ اور ہی اس سے ہر ختمیت ٹوٹی ہے۔ کیوں کہ
 میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ میں بموجب آیت **وَاحْزَنِينَ مِنْهُمْ لَمَا يَأْتِخُقُوا**
بِصِحِّهِمْ ہر وہی طور پر وہی خاتم الانبیاء ہوں۔ اور خدا نے آج سے بس برس
 پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا اور مجھے آنحضرت صلعم کا ہی

وجود قرار دیا ہے۔ پس اس طور سے آنحضرت صلعم کے خاتم النبیین ہونے میں میری نبوت سے کوئی نزل نہیں آیا، کیونکہ ظل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا آگے لکھتے ہیں۔ کہ یہ ممکن ہے کہ آنحضرت صلعم نہ ایک دفعہ بلکہ ہزار دفعہ دنیا میں بروزی رنگ میں اور کمالات کے ساتھ اپنی نبوت کا بھی اظہار کریں۔ اور یہ بروزی رنگ کی طرف سے ایک قرار یافتہ عہد تھا۔ پھر لکھتے ہیں۔ کہ چونکہ وہ بروز محمدی جو تہم سے موعود تھا۔ وہ میں ہوں۔ اس لئے بروزی رنگ کی نبوت مجھے عطا کی گئی ہے۔ اور اس نبوت کے مقابل پر اب تمام دنیا بے دست و پا ہے۔ کیونکہ نبوت پر میرے ایک اور جگہ لکھا ہے۔ کہ کمالات متفرقہ جو تمام دیگر انبیاء میں پائے جاتے ہیں وہ سب حضرت رسول کریم میں ان سب سے بڑھ کر موجود تھے۔ اور اب وہ سارے کمالات حضرت رسول کریم سے ظلی طور پر ہم کو عطا کئے گئے ہیں پہلے تمام انبیاء ظل تھے۔ نبی کریم کے خاص خاص صفات ہیں۔ اور اب ہم ان تمام صفات میں نبی کریم کے ظل ہیں۔ اس عبارت سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ ظل اور بروز کے الفاظ محض الفاظ ہی الفاظ ہیں۔ مراد ان سے حقیقت کا طہ نبوت ہے۔

ان تصریحات سے مولوی نجم الدین صاحب گواہ مدعیہ کا یہ استدلال ہے کہ مرزا صاحب نے قرآن حکیم کی آیات اور احادیث نبوی سے اپنی نبوت کے لئے جو دلائل پیش کئے ہیں۔ وہ محض لا طائل اور بے معنی سعی ہے کیونکہ مرزا صاحب بلاہین احمدیہ کے لکھے وقت اور اس سے مدتوں پہلے اپنی قرآن دانی اور حکم فہمی کے مدعی تھے۔ اگر ان کو اس سے پہلے قرآن کی رو سے کسی نئے نبی کے آنکا انکار تھا۔ تو بعد میں قرآن کی کوئی آیت اتنی یا نبی کریم صلعم کی کوئی حدیث پیدا ہوئی جس کی بناء پر مرزا صاحب نے نبوت کا ادعا کیا۔ خاتم النبیین کی آیت اور ایوم اکملت لکم دینکم اور اب ہر نبی کے لئے نبوت کا ادعا کیا۔ خاتم النبیین کی آیت یہ ہر دو آیتیں قسم انباء میں سے ہیں۔ اور اوامر وہی کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں۔ اگر ادعا کرنے سے پناہ لیکر کوئی تاویل کیجاوے تو اوامر وہی

میں جاری ہو سکتی ہے۔ اخبار میں نہیں ہو سکتی۔ یہ مسئلہ تمام اہل اسلام کے نزدیک مسلم اور متفق علیہ ہے۔ پھر کیونکر از روئے قرآن یا حدیث اپنے کو ادا نبوت میں صادق کہہ سکتے ہیں۔

ختم نبوت کے معنی کو جیسا کہ عام عقیدہ ہے۔ مرزا صاحب تسلیم کرتے ہیں۔ اور اپنے کلام میں اس طرح اس کو استعمال کرتے ہیں۔ لیکن صرف اپنی خوش خیالی کو باقی رکھنے کے لئے بے محل اور خلاف محاورات عرب تاویل کر کے جان بچانے کی کوشش کی ہے۔

آگے وہ کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے خاتم النبیین کے بعد بروزی طور پر اپنے آپ کو نبی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر خود انہی کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص خاتم ہو۔ اس کا بروز بھی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب تریاق القلوب کے صفحہ ۳۷۷ حاشیہ پر لکھتے ہیں۔ ”مگر مہدی معبود بروزات کے لحاظ سے بھی دنیا میں نہیں آئیگا۔ کیونکہ وہ خاتم الادلاء ہے“ اس کتاب کے صفحہ ۸ پر لکھتے ہیں کہ یہ بعض اکابر اولیاء کے مکاشفات ہیں۔ اور اگر احادیث نبویہ کو بغور دیکھا جاوے۔ تو بہت کچھ ان سے ان مکاشفات کو مد ملتی ہے۔ لیکن یہ قول اس حالت میں صحیح پڑتا ہے۔ جب مہدی معبود اور مسیح موعود کو ایک ہی شخص مان لیا جاوے۔ اس حوالہ سے مرزا صاحب کا بروزی اور ظلی نبی ہونیکا دعویٰ بھی غلط ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ ثابت ہے کہ حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین والمرسلین ہیں۔ آپ کے بعد جو شخص اپنے لئے ادا نبوت کرے۔ یا کسی دوسرے کو نبی مانے تو وہ تمام اہل اسلام کے نزدیک کافر۔ مرتد اور خارج از اسلام ہے۔ اس کی تائید کہ ظلی اور بروزی الفاظ محض الفاظ ہی ہیں اور کہ دراصل مرزا صاحب کی مراد حقیقی نبوت سے ہے۔ مرزا صاحب کے صاحبزادے بشیر محمد صاحب کی ایک تقریر سے ہوتی ہے جو اخبار الفضل مورخہ ۲۶ نومبر ۱۹۱۳ء کے حوالہ سے مدنیہ کے گواہ مولوی مرتضیٰ حسن صاحب نے نقل کی ہے۔ اور جو بالفاظ ذیل ہے۔

ہم جیسے خدا تعالیٰ کی دوسری وجوں میں حضرت اسماعیلؑ حضرت اور لیس
 علیہم السلام کو نبی پڑھتے ہیں۔ ایسے ہی خدا کے آخری وحی میں مسیح موعود کو بھی یا
 نبی اللہ کے خطاب سے مخاطب دیکھتے ہیں۔ اور اس نبی کے ساتھ کوئی لغوی یا ظلی
 یا جزوی کا لفظ نہیں پڑھتے۔ کہ اپنے آپ کو خود بخود ایک محرم فرض کر کے اپنی بریت
 کرنے لگجائیں بلکہ جیسے اور نبیوں کی نبوت کا ثبوت ہم دیتے ہیں۔ بلکہ اس سے بڑھ کر کیونکہ
 ہم چشمہ ید گواہ ہیں۔ مسیح موعود کی نبوت کا ثبوت دے سکتے ہیں۔ پھر لکھا ہے۔ کہ
 خدا تعالیٰ نے صاف لفظوں میں آپ کا نام نبی اور رسول رکھا۔ اور کتاب میں بروزی اور
 ظلی نبی نہیں کہا۔ پس ہم خدا کے حکم کو مقدم کہیں گے۔ اور آپ کی تشریح میں جن
 میں انکساری اور فروتنی کا غلبہ ہے۔ اور جو نبیوں کی شان ہے۔ اس کو ان الہامات
 کے تحت کریں گے۔ اس لئے نتیجہ افسوسناک کیا گیا ہے۔ کہ مرزا صاحب نے یہ الفاظ
 انکساری اور تواضع کے طور پر لکھ دیئے ہیں۔ ورنہ ان کے معنی مراد نہیں ہیں۔
 مرزا صاحب جہاں اپنے آپ کو بروزی یا ظلی یا مجازی نبی کہتے ہیں اس کا مطلب
 صحت حقیقی نبی سمجھنا چاہئے۔

اسی طرح خلیفہ دوم اخبار الفضل مورخہ ۲۹۔ جون ۱۹۱۵ء میں بیڈیل صفحہ ۲ کی
 سطر ۱۱ میں تشریح فرماتے ہیں۔ کہ مسیح موعود کو نبی اللہ تسلیم نہ کرنا۔ اور آپ کو
 امتی ترا دینا یا امتی گروہ میں سمجھنا گویا آنحضرت کو جو سید المرسلین و
 خاتم النبیین ہیں امتی ترا دینا ہے۔ اور امتیوں میں داخل کرنا ہے جو کفر عظیم
 اور کفر بعد کفر ہے۔

ختم نبوت اور انقطاع وحی پر مولوی محمد حسین صاحب گواہ مدعی نے ایک اور دلیل پیش
 کی ہے۔ وہ یہ کہ قرآن شریف پر مجموعی طور پر نظر ڈالنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ کہ
 آنحضرت صلعم آخری نبی ہیں۔ اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ جس کی توجیہ یہ ہے۔ کہ اللہ
 جل شانہ نے آدم علیہ السلام سے وحی نبوت کے جاری ہونے کے سلسلہ کی جزوی سے۔ یہ
 ابتداء وحی اور آغاز وحی ہے۔ اس کے بعد ہم نوح علیہ السلام کے زمانہ تک پہنچتے ہیں۔ قرآن شریف

سے یہ پتہ لیتے ہیں۔ کہ آیا سلسلہ نبوت جاری ہے۔ یا نہ جواب ملتا ہے کہ ہاں جاری ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ **وَلَقَدْ آدَحَيْنَا نُوحًا وَاِبْرَاهِيمَ وَوَهَبْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمُ النَّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ**۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے ذریت میں سلسلہ نبوت جاری ہے۔ اور ذریت ابراہیم میں بھی ابھی سلسلہ نبوت جاری ہے۔ دوسری بات اس سے یہ ثابت ہوئی۔ کہ نبوت کا طرف اور محل آل ابراہیم ہی ہے۔ جس کا عملی ثبوت یہ ہے۔ کہ اللہ عزاسمہ نے حضرت ابراہیم کی اولاد میں دو شعبہ قرار دیئے ہیں۔ ایک "بنی اسحاق" جن میں پہلے نبوت کا سلسلہ جاری رہا اور بہت انبیاء ان میں آئے۔ اور یہ سلسلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ختم ہوا۔ دوسرے "بنی اسماعیل" جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نبی نہ آیا۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کی طرف نگاہ کی جائے تو قرآن شریف سے یہ معلوم ہوگا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد سلسلہ نبوت جاری ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے **وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ**۔ اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد سلسلہ نبوت جاری ہے۔ اور کئی ایک رسولوں کے آئیکہ وعدہ ہے۔ جیسا کہ لفظ "الرسول" سے ظاہر ہے۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وقت آتا ہے۔ تو قرآن کریم سے سوال ہوتا ہے کہ آیا بجز ان انبیاء بھی آئیں گے؟ یا کیا ہوگا۔ تو خداوند تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ **وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ..... الخ خداوند سبحانہ، تعالیٰ نے یہاں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان پر اسلوب جواب کو بالکل بدل دیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "اے نبی اسرائیل میں اللہ کا رسول تمہاری طرف ہو کر آیا ہوں اور مجھ سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب تورات جو منہ کی طرف سے ان کو عطا ہوئی ہے اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ اور خوشخبری دیتا ہوں۔ ایک رسول کی کہ جو میرے بعد آئے گا۔ نام اُس کا احمد ہوگا۔ قرآن کریم نے اس سے پہلے رسل کے لفظ سے عام طور پر رسولوں کے آئیکہ خبر دی تھی۔ اور یہاں ایک خاص رسول کی خبر دیکر اُس کے نام سے شخص۔ اور**

اور معین فرمایا۔ یہ اسلوب صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے۔ کہ خداوند تعالیٰ
 احمد صلعم پر نبوت کو ختم کر رہا ہے۔ اور عام طور پر جو رسولوں کے آئینکا اسلوب تھا۔
 اس کو بدل کر ایک خاص معین مستحق کے آئینکی اطلاع دیتا ہے۔ اس کے بعد آنحضرت
 صلعم کا زمانہ آتا ہے۔ تو ہم قرآن سے پوچھتے ہیں۔ کہ آنحضرت کے آنے کے بعد سلسلہ نبوت
 جاری ہے۔ یا بند ہو جاتا ہے۔ تو قرآن کریم فرماتا ہے۔ **مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا
 أَحَدٍ مِّنْ سِرِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ** یہ بات
 قابل غور ہے کہ خداوند تعالیٰ نے مختلف انبیاء کے زمانہ میں سلسلہ نبوت جاری رہنے
 اور رسل کے آئینکی اطلاع دی۔ اور آنحضرت صلعم پر اگر اس اطلاع کے برخلاف
 ہو بصورت اجراء نبوت مثل سابق ایسی اطلاع دی جانی ضروری تھی۔ جیسا کہ پہلے دیکھی۔ ختم
 نبوت کا اعلان کر دیا۔ جس سے قطعاً اور یقیناً یہ بات معلوم ہوئی کہ قرآن کریم محسوس طور
 پر ختم نبوت کا اعلان کر رہا ہے۔

اس ضمن میں دو احادیث کا حوالہ جو گواہ مذکور نے دیا ہے۔ اور دیگر گواہان
 مدعیہ کے بیانات میں بھی موجود ہے۔ دیا جانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ فریق ثانی
 کے جواب میں یہ حدیثیں بحث طلب ہیں۔ ایک حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا
 کہ بنی اسرائیل میں انبیاء آتے رہے۔ جب ایک بنی نوت ہو جاتا۔ تو دو سر بنی آجاتے لیکن
 میرے بعد کوئی بنی نہیں اور علیہم ہوں گے۔ پس بہت ہوں گے۔

دوسری حدیث یہ ہے کہ جنگ تبوک پر جاتے ہوئے۔ آپ نے جب حضرت علی کو اہلیت
 کی نگرانی کیلئے چھوڑا تو حضرت علی نے عرض کیا کہ آپ محسب کو عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جاتے
 ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ تو مجھ سے وہی نسبت رکھتا ہے۔ جیسا کہ مادون کو موسیٰ علیہ السلام سے
 تھی۔ البتہ میرے بعد کوئی بنی نہیں ہو سکتا۔ اگر نبوت آنحضرت کے بعد تشریحی یا غیر تشریحی
 جاری ہوتی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ صلعم کا بنی بعدی کہہ کر
 اس وصف سے محروم نہ کرتے۔ گواہ مذکور نے قرآن مجید سے ختم نبوت کی ایک اور دلیل
 بھی پیش کی ہے۔ کہ سورہ آل عمران پارہ تیسرا کی آیت **قُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اَنْزَلَ**

الیک الخ سے اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر فرمایا ہے کہ جو کچھ انبیاء علیہم السلام پر وحی نازل کی گئی وہ زمانہ ماضی میں ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں انہی انبیاء پر ایمان لانے کی ترغیب دی۔ جو آنحضرت سے پہلے ہو چکے ہیں اور کسی ایسے نبی کے لئے ایمان لانے کی تاکید نہیں کی جو آپ کے بعد ہو۔ اگر کوئی نبی آنحضرت صلعم کے بعد آیا ہوتا۔ تو ضرور اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر ایمان لانے کی تاکید فرماتا۔ سورہ بقرہ کی ایک اور آیت

والذین یومنون بما انزل الیک الخ میں بھی خداوند تعالیٰ نے انہیں کو ہدایت پر قائم رہنے والا اور "مفلحون" فرمایا ہے۔ جو آنحضرت کی وحی پر اور آپ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی وحی پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہوں۔ اور قرآن کریم نے یہ التزام کیا ہے۔ کہ ہر جگہ وحی کے ساتھ لفظ قبل کو لایا ہے تاکہ یہ بات ثابت ہو کہ آنحضرت صلعم سے پہلے ہی وحی نبوت اور انبیاء علیہم السلام آئے ہیں۔ چنانچہ اس کی تائید میں مولوی غلام الدین صاحب گواہ مدعیہ نے سورہ سبا پارہ ۱۱ کی آیت وَمَا ارسلناک الا کافۃ للناس

کے لئے صرف ان چار چیزوں کی ضرورت ہے۔ جو اس آیت میں بیان کی گئی ہیں۔ ایک تو وہ وحی ہے جو آنحضرت صلعم کی طرف نازل کی گئی۔ دوسری وہ جو آپ سے پہلے لوگوں پر نازل کی گئی۔ اگر آنحضرت صلعم کے بعد بھی کسی وحی پر انسانوں کی نجات اور ارتقاء کی مدد ہوئی تو اللہ تعالیٰ اسے بھی یہاں ذکر فرمادیتا۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی اور نبی بات کی یا نبی وحی کی متقی بننے کیلئے حاجت نہیں۔ اور نہ ہی اس کے آنے پر یا اس کے ماننے پر انسانوں کی نجات کا دار و مدار ہے۔

ختم نبوت کے بارہ میں مرزا صاحب کی ایک اور تحریر بہت واضح ہے جس کا ذکر مولوی مرتضیٰ حسن صاحب گواہ مدعیہ کے بیان میں ہے۔ مرزا صاحب اپنی کتاب "ازالہ اہام" کے صفحہ ۲۲۵ پر لکھتے ہیں۔ کہ یہ بات ہم کئی مرتبہ لکھ چکے ہیں کہ خاتم النبیین کے بعد مسیح ابن مریم رسول کا آنا فسادِ عظیم کا موجب ہے۔ اس سے یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ وحی نبوت کا سلسلہ پھر جاری ہو جائیگا۔ یا قبول کرنا پڑے گا کہ خدا تعالیٰ نے مسیح ابن مریم کو لوازم

نبوت سے الگ کر کے۔ اور محض ایک امتی بنا کر بھیجا۔ اور یہ دونوں صورتیں متمتع ہیں۔
 اسی طرح صفحہ ۲۳ پر لکھتے ہیں۔ کہ ہم ابھی لکھ چکے ہیں۔ کہ حدائق القرآن کریم میں فرماتا
 ہے۔ کہ کوئی رسول دنیا میں مطیع اور محکوم ہو کر نہیں آتا۔ بلکہ وہ مطاع صرف اور اپنی
 اسی وحی کا متمتع ہوتا ہے۔ جو اسی پر بذریعہ جبرائیل علیہ السلام نازل ہوتی ہے۔ اب یہ سیدھی
 سیدھی بات ہے۔ کہ جب حضرت مسیح ابن مریم نازل ہوئے۔ اور حضرت جبرائیل لگا تار
 آسمان سے وحی لانے لگے۔ اور وحی کے ذریعہ انہیں تمام اسلامی عقائد اور صوم۔ صلوٰۃ اور
 زکوٰۃ اور حج اور جمع مسائل فقہ کے سکھائے گئے۔ تو پھر بہر حال یہ مجموعہ احکام دین
 کا کتاب اللہ کہلائے گا۔ اگر یہ کہو کہ مسیح کو وحی کے ذریعہ صرف اتنا کہا جائیگا کہ تو
 قرآن پر عمل کر اور پھر وحی مدت العسر تک منقطع ہو جائے گی۔ اور کبھی جبرائیل نازل
 نہ ہوں گے۔ بلکہ وہ مسلوب النبوت ہو کر امتیوں کی طرح بن جائیں گے۔ تو یہ ظن لاد خیال
 ہنسی کے لائق ہے۔ ظاہر ہے کہ اگرچہ ایک ہی دفعہ وحی کا نزول فرض کیا جائے۔ اور صرف
 ایک ہی فقرہ حضرت جبرائیل لائیں۔ اور پھر چپ ہو جائیں۔ یہ امر بھی ختم النبوة کا منافی
 ہے۔ کیونکہ جب ختمیت کی مہر ہی ٹوٹ گئی اور وحی رسالت پھر نازل ہوتی شروع
 ہو گئی۔ تو پھر کھوڑا بہت نازل ہونا برابر ہے۔ ہر ایک دانا سمجھ سکتا ہے۔ کہ
 اگر خداوند تعالیٰ صادق الوعد ہے اور جو آیت خاتم النبیین میں وعدہ دیا گیا ہے۔ اور
 جو حدیثوں میں تبصریح بیان کیا گیا ہے۔ کہ اب جبرائیل بعد وفات رسول اللہ صلعم
 ہمیشہ کیلئے وحی نبوة لانے سے منع کیا گیا ہے۔ یہ تمام باتیں سچ اور صحیح ہیں۔ تو پھر کوئی
 شخص بحیثیت رسالت ہمارے نبی صلعم کے بعد مگر نہ ہو سکتا۔ اس سے مدعیہ کی طرح
 سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ کہ مرزا صاحب نے اس کی تصریح کر دی ہے۔ کہ کوئی نبی مطیع
 یعنی امتی نہیں بن سکتا۔ بلکہ وہ مطاع اور صرف اپنی اسی وحی کا متمتع ہوتا ہے
 جو اسی پر بذریعہ جبرائیل علیہ السلام نازل ہوتی ہے۔ اب سوال یہ ہے۔ کہ جب
 مرزا صاحب نبی ہوتے تو انہوں نے اسی وحی کی اتباع کی جو ان پر نازل ہوئی۔ یا
 قرآن کی۔ اگر قرآن کی اتباع کی تب بھی مرزا صاحب کا فرہ کیونکہ ان کو اپنی وحی کی اتباع

کرفی چاہئے تھی۔ اور اگر اپنی وحی کی اتباع کی۔ تب بھی کافر کیونکہ قرآن کو چھوڑا۔ کتاب
 ازالہ الادہام مرزا صاحب کے دعویٰ کے کچھ عرصہ بعد تحریر ہوئی۔ اور اس وقت
 تک وہ خاتم النبیین کے وہی معنی سمجھتے رہے۔ جو ساری دنیا نے سمجھے۔ اور ایک نبی کا آنا
 اور ایک دفعہ حبرائیل علیہ السلام کا اترنا اور ایک فقرہ کہنا کہ تم قرآن کا اتباع کرو۔ یہ سب
 چیزیں مرزا صاحب کے نزدیک ختم النبوة کے مخالف تھیں۔ اور اس سے مہر نبوت ٹوٹی تھی۔
 ہر صدی میں کم از کم ایک مرتبہ آتا ہے۔ ان کا یہ فرض ہوتا ہے۔ کہ دنیا میں جو لوگوں
 سے غلطی ہو گئی ہے۔ اس پر لوگوں کو متنبہ کریں۔ اور بالخصوص ایسے امور اور عقائد کی
 نسبت کہ جن سے انسان کافر ہو جائے۔ علاوہ ازیں امت میں بے شمار اولیاء۔ ابدال
 اقطاب گذرے اور تمام صحابہ کرام ان میں سے کسی نے خاتم النبیین کے یہ معنی نہیں
 کئے جو مرزا صاحب نے اب بیان کئے ہیں۔ اس لئے جو معنی ختم النبوت کے اب
 تجویز کئے ہیں۔ جس کی بناء پر نبوت کا جاری رہنا اور وحی نبوت کا جاری رہنا ضروری
 ہے۔ اور جس مذہب میں وحی نبوت نہ ہو۔ وہ مذہب مرزا صاحب کے نزدیک لعنتی
 اور شیطانی مذہب کہلانا مستحق ہے۔

اس بناء پر اگر یہ معنی صحیح ہیں تو جب تک مرزا صاحب کا مذکورہ بالا عقیدہ رہا۔
 مرزا صاحب بھی کافر ہوئے۔ اور ان سے پہلے جتنے مسلمان اس عقیدہ پر گذرے
 وہ سب کے سب کافر ہوئے۔ اور اگر مسلمانوں کا اور مرزا صاحب کا عقیدہ سابقہ
 صحیح تھا۔ تو پہلے لوگ تو مسلمان اور مرزا صاحب اس عقیدہ کے بدلنے کے بعد کافر
 ہو گئے۔ یہ نتائج مولوی مرتضیٰ صاحب کے بیان سے اخذ ہوتے ہیں۔ آگے وہ کہتے ہیں
 کہ مرزا صاحب نے یہ کہا ہے کہ جو امر مستلزم محال ہے۔ وہ محال ہوتا ہے۔ اس سے
 اگر مراد محال عقلی ہے۔ تو اس کا اخطار ناجائز ہے۔ بالخصوص تیرہ سو برس تک
 جبکہ صحابہ تابعین۔ ائمہ مجتہدین اور ائمہ نقلیے۔ کہ جنہوں نے عقلی امور کی بال کی کھال
 نکال دی ہے۔ اور اگر محال سے مراد شرعی ہے۔ تو وہ بھی مخفی نہیں رہ سکتا۔ بالخصوص
 اتنے زمانہ تک اور اتنے علمائے متبحرین پر۔ اور مجددین پر۔ اس سے

ثابت ہوتا ہے۔ کہ مرزا صاحب کا اس کلام کے لکھنے تک یہی عقیدہ تھا کہ خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں۔ کہ کوئی جدید یا قدیم نبی آپ ہی نہیں سکتا۔ علمائے اُمت نے جو مستند ختم نبوت پر اجماع بیان کیا ہے۔ اور جس آیت کے معنی تھے ہیں اور وہ معنی مرزا صاحب کے مسلمات میں سے ہیں۔ وہی حق ہیں۔ اور اب جو اس معنی سے انکار کرے وہ کافر اور بیشک کافر ہے ایک اور کتاب حمانۃ البشری کے صفحہ ۲۲ پر مرزا صاحب نے جو کچھ لکھا ہے۔ اس کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بارہ میں کسی مسلمان کو جائز نہیں۔ کہ اس کلام کو جو احادیث میں آیا ہے۔ ظاہری معنی پر حمل کرے۔ اس واسطے کہ یہ آیت صَا كَانَ مُحَمَّدٌ ابًا أَحَدًا..... الخ خاتم النبیین کے مخالف ہے کیا تمہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلعم کا نام خاتم الانبیاء رکھا ہے اور اس میں کسی کی استثناء نہیں کی۔ اور پھر اس خاتم الانبیاء کی خود اپنے کلام میں تفصیل فرمائی۔ لَا نَبِيَّ بَعْدِي سے جو سمجھنے والوں کے لئے بیان واضح ہے۔ اور اگر ہم یہ جائز رکھیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی آسکتا ہے تو لازم آتا ہے کہ دروازہ وحی نبوت کا بعد بند ہونے کے کھل جائے۔ اور آپ کے بعد کوئی نبی کیسے آسکتا ہے۔ حالانکہ وحی منقطع ہو چکی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ تمام نبیوں کو ختم کر دیا ہے۔ کیا ہم اس کا اعتقاد رکھیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے۔ اور خاتم الانبیاء وہ بنے نہ ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب نے اس میں اس بات کی تصریح کر دی ہے کہ خاتم الانبیاء کی تفسیر بغیر کسی استثناء کے رسول اللہ صلعم نے اس کلام میں فرمائی کہ لَا نَبِيَّ بَعْدِي اور معلوم ہو کہ مرزا صاحب کے نزدیک خاتم النبیین کی تفسیر لَا نَبِيَّ بَعْدِي ہے۔ اور خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ کسی میں کسی نبی بروزنی ظلی وغیرہ کی تہ نہیں۔ اور اب لَا نَبِيَّ بَعْدِي کا یہ معنی لینے کہ اس سے مراد خالص وہ نبی ہے جو مستقل نبی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ ہو کر اس نے نبوت حاصل کی ہو۔ کیونکہ یہ معنی مرزا صاحب کے نزدیک بھی غلط ہیں اور اب یہ معنی کرنے

ہرگز قابل پذیرائی نہیں۔ مرزا صاحب خاتم کے یہ معنی کرتے ہیں۔ کہ رسول کریم مہر ہیں۔ اور آپ کے منظور کرنے سے نبی بنتے ہیں۔ کتاب حقیقت النبوة صفحہ ۲۶۶ حصہ اول ضمیر لکھتے ہیں۔ کہ چونکہ میں ظلی طور پر مستند ہوں۔ پس اس طور سے خاتم النبیین کی مہر نہیں ٹوٹی۔ کیونکہ محمد صلعم کی نبوت محمد صلعم تک ہی محدود رہی۔ یعنی بہر حال محمد صلعم ہی نبی رہا۔ نہ کوئی اور۔ سید انور شاہ صاحب گواہ مدعی اس سے یہ مطلب اخذ کرتے ہیں کہ میں آئینہ بن گیا ہوں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اور مجھ میں تصویر اتر آئی ہے۔ رسول کریم صلعم کی۔ اس سے مہر نبوت نہ ٹوٹی۔ یہ تسخر ہے خدا اور خدا کے رسول صلعم کے ساتھ۔

اب باقی ماندہ وجوہات تکفیر میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین۔ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی توہین کے بارہ میں گواہان مدعیہ کے بیانات کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ اس ضمن میں مرزا غلام احمد صاحب کی حسب ذیل تحریروں پر اعتراض کیا گیا ہے۔ مرزا صاحب اپنی کتاب دافع السبلاء کے آخری صفحہ پر لکھتے ہیں۔

لیکن مسیح کی راستبازی اپنے زمانہ میں دوسرے راستبازوں سے بڑھ کر ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ عیسیٰ نبی کو اس پر ایک فضیلت ہے۔ کیونکہ وہ شراب نہیں پیتا تھا۔ اور کبھی یہ نہیں منسٹا گیا۔ کہ کسی فاحشہ عورت نے آکر اپنی کمائی کے مال سے اس پر عطر ملا تھا۔ یا اپنے ہاتھوں یا سر باہوں سے اس کو چھوا تھا۔ یا کوئی بے تعلق جوان عورت اس کی خدمت کرتی تھی۔ اس وجہ سے خدا نے قرآن میں عیسیٰ علیہ السلام کا نام حضور لکھا مگر مسیح کا یہ نام نہ رکھا۔ کیونکہ ایسے قصے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے۔

حاشیہ ضمیر بخش نام اہم صفحہ ۲۶ پر لکھتے ہیں۔ کہ پس اس نادان اسرائیلی نے ان معمولی باتوں کا پیشین گوئی نام کیوں رکھا۔ آگے حاشیہ نمبر ۵ پر لکھتے ہیں۔ کہ آپ کو گالیاں دینے اور بدزبانی کی اکثر عادت تھی۔ اس صفحہ پر آگے کہتے ہیں کہ میرے نزدیک آپ کی یہ حرکات عابثے افسوس نہیں کیونکہ آپ تو گالیاں دیتے تھے۔ اور یہودی باغی سے کسر نکال لیا کرتے تھے۔

آگے ہے کہ یہ بھی یاد رہے۔ کہ آپ کو کس قدر جھوٹ بولنے کی عادت تھی "ضمیمہ انجام
 اہم صفحہ ۷ کے حاشیہ پر ہے۔ کہ آپ کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر رہے۔ تین
 دادیاں اور تین نائیاں آپ کی زنا کار اور کسی تھیں۔ جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر
 ہوا۔ آگے لکھتے ہیں کہ آپ کا کعبہ ر یوں سے میلان اور صحبت بھی شاید اس وجہ سے ہو کہ
 جدی مناسبت درمیان ہے۔ ورنہ کوئی پرہیزگار انسان ایک جوان کنجری کو یہ موقع نہیں دے سکتا
 کہ وہ اس کے سر پر اپنے ناپاک ہاتھ لگائے " آگے ہے کہ " سمجھنے والے سمجھ لیں
 کہ ایسا انسان کس چلیں کا آدمی ہو سکتا ہے "

یہ گالیاں یسوع کا نام لیکر ضمیمہ انجام اہم میں درج کی گئی ہیں۔ لیکن بیان کیا جاتا
 ہے کہ مرزا صاحب کے نزدیک یسوع اور مسیح ایک تھے۔ کیونکہ مرزا صاحب اپنی کتاب فی صبح المرام
 صفحہ ۳ پر فرماتے ہیں کہ مسیح ابن مریم جس کو علیٰ اور یسوع بھی کہتے ہیں " اس کی طرح اپنی کتاب
 حاشیہ کشتی نوح صفحہ ۶۵ پر لکھتے ہیں کہ " یورپ کے لوگوں کو جس قدر شراب سے نقصان
 پہنچا ہے۔ اس کا سبب تو یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے۔ شاید کسی بیماری کی وجہ
 سے۔ اے مسلمانو تمہارے نبی صلعم تو ہر ایک نشہ سے پاک اور معصوم تھے "۔

حاشیہ ضمیمہ انجام اہم صفحہ ۵ پر ہے۔ جن جن پیشینگوئیوں کا اپنی ذات کی نسبت تو را
 میں پایا جاتا آپ نے بیان فرمایا۔ ان کتابوں میں ان کا نام نشان بھی نہیں پایا جاتا۔
 حاشیہ صفحہ ۶ پر لکھتے ہیں اور نہایت شرم کی بات ہے کہ آپ پہاڑی تعلیم کو جو نخل کا
 مغز کہلاتی ہے۔ یہودیوں کی کتاب "طالمود" سے چرا کر لکھا ہے۔ اور چہر لیا تھا
 کیا ہے۔ کہ گویا میری تعلیم ہے۔ " آگے ہے۔ کہ آپ کے حقیقی بھائی آپ کی ان حرکات سے آپ سے
 سخت ناراض رہتے تھے۔ اور ان کو یقین تھا کہ آپ کے دماغ میں ضرور کچھ خلل ہے۔

کتاب ست بچے صفحہ ۱۱ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں۔ کہ " یہ درخواست بھی صریح
 اس بات پر دلیل ہے۔ کہ یسوع درحقیقت بوجہ بیماری مرگی کے دیوانہ ہو گیا تھا "۔
 ضمیمہ انجام اہم حاشیہ صفحہ ۶ پر ہے کہ " عیسائیوں نے بہت سے آپ کے
 معجزات لکھے ہیں۔ مگر حق بات یہ ہے۔ کہ آپ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا "

اس کتاب کے صفحہ ۱ پر ہے کہ آپ نے معمولی تدبیر کے ساتھ کسی شب کو روغیرہ کو اچھا کیا ہو۔ یا کسی ایسی بیماریوں کا علاج کیا۔ مگر آپ کی بدقسمتی سے اس زمانہ میں ایک تالاب بھی موجود تھا۔ جس سے بڑے بڑے نشان ظاہر ہوتے تھے۔ خیال ہو سکتا ہے۔ کہ اس تالاب کی مٹی آپ بھی استعمال کرتے ہوں گے۔ اس تالاب سے آپ کے معجزات کی پوری پوری حقیقت کھلتی ہے۔ اور اس تالاب نے فیصلہ کر دیا ہے۔ کہ اگر آپ سے کوئی معجزہ بھی ظاہر ہوا ہو۔ تو وہ معجزہ آپ نہیں ہے۔ بلکہ اس تالاب کا معجزہ ہے۔ اور آپ کے ہاتھوں میں سولے مکہ و فریب کے اور کچھ نہ تھا۔ اسی کتاب ضمیمہ انجام اتہم کے حاشیہ صفحہ ۹ پر آگے مسلمانوں کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے قرآن شریف میں کوئی نبی نہیں دی۔ کہ یسوع کون تھا۔ اور پادری اس بات کے قائل ہیں۔ کہ یسوع وہ شخص تھا کہ جس نے خدائی کا دعویٰ کیا۔ اور حضرت موسیٰ کا نام ڈاکو اور بٹ مار رکھا۔ اور آنے والے نبی کے مقدس وجود سے انکار کیا۔ اور کہا کہ میرے بعد سب جھوٹے نبی آئیں گے۔ پس ہم ایسے ناپاک خیال اور متکبر اور راست بازوں کے دشمن کو ایک بھلے مانس آدمی بھی قرار نہیں دے سکتے چہ جائیکہ اس نبی کو قرار دیں۔

اور کتاب ست پنچم صفحہ ۱۶۸ پر لکھتے ہیں۔ اور بالخصوص یسوع کے دادا صاحب داؤد نے تو سارے بڑے بڑے کام کئے۔ ایک بیگناہ کو اپنی شہوت رانی کیلئے فریب سے قتل کر دیا۔ اور دلالہ عورتوں کو بھجکرا اس کی جو رو کو منگوا دیا۔ اور اس کو شراب پلائی۔ اور اس سے مذاکیرا۔ اور بہت سال حرام کاری میں ضائع کیا۔ اعجاز احمدی صفحہ ۴۱ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تین پیشینگوئیوں کو غلط قرار دیا گیا ہے اذالہ الامام صفحہ ۱۲۵ کے حاشیہ پر درج ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے باپ یوسف کے ساتھ بائیس سال تک بخاری کا کام کرتے رہے ہیں۔ کشتی فوج صفحہ ۱۶ پر لکھتے ہیں۔ کہ مریم کی وہ شان سے جس نے ایک مدت تک اپنے تئیں نکاح سے روکا۔ پھر بزرگان قوم کے نہایت ہزار سے بوجہ حمل کے نکاح کر لیا۔ گو لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ برخلاف تسلیم تورات

عین عمل میں کیونکہ نکاح کیا گیا۔ اور بتول ہونے کے عہد کو کیوں توڑا گیا۔ اور تعداد ازدواج کی کیوں بنا ڈالی گئی۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ سب مجبوریاں تھیں جو پیش آگئیں۔ اس صورت میں وہ لوگ قابلِ رحم تھے۔ نہ قابلِ اعتراض ازالہ اداہم علیہ اول صفحہ ۳ پر مرزا صاحب مولویوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔ کہ اس سے زیادہ تر قابلِ انوسس یہ امر ہے کہ جس وقت حضرت مسیح کی پیشینگوئیاں غلط نکلیں اس قدر صحیح نکل نہیں سکیں۔“

واقع البلاء صفحہ ۵ پر لکھتے ہیں کہ خدا نے اس امت میں مسیح موعود بھیجا جو اس پہلے مسیح سے اپنی تمام نشان میں بہت بڑھ کر ہے۔ اور اس نے اس دوسرے کا نام غلام احمد رکھا۔ اسی کتاب کے صفحہ ۱۳ پر لکھتے ہیں کہ جب کہ خدا نے اور اس کے رسول نے اور تمام نبیوں نے آخری زمانہ کے مسیح کو ان کے کارناموں کی وجہ سے افضل قرار دیا ہے۔ تو پھر یہ سو سو شیطان ہے۔ کہ کہا جائے کہ کیوں تم اپنے تئیں مسیح ابن مریم سے افضل قرار دیتے ہو۔“

مولوی انور شاہ صاحب نے لفظ یسوع کی اصل یہ بتائی ہے کہ یہ دراصل عبرانی لفظ ہے۔ اور عبرانی میں ایشوع بمعنی نجات دہندہ تھا۔ ایشوع سے یسوع بنا اور زبان عربی میں آکر لفظ عیسیٰ بنا۔ اور یہ تعریب قرآن سے شروع نہیں ہوئی۔ بلکہ نزولِ قرآن سے پہلے عرب کے ذہنوں میں عیسیٰ علیہ السلام کو عیسیٰ ہی بولتے تھے۔

ازالہ الادہام صفحہ ۳۰۹ پر لکھتے ہیں۔ ماسوا اس کے یہ بھی قرین قیاس ہے کہ ایسے ایسے اعجازِ طریقی عملِ تربیع یعنی مسمریزمی طریق سے بطور لہو و لعب نہ بطور حقیقت ظہور میں آسکیں۔ کیونکہ عملِ تربیع میں جس کو زمانہ حال میں مسمریزم کہتے ہیں۔ ایسے ایسے عجائبات ظہور میں آتے رہتے ہیں۔ اگر یہ عاجز اس عمل کو مکروہ اور قابلِ نفرت نہ سمجھتا۔ تو اللہ تعالیٰ کے فضل و توفیق سے اُمید توئی رکھتا تھا۔ کہ ان عجوبہ نمائیوں میں حضرت مسیح ابن مریم سے کم نہ رہتا۔ لیکن مجھے وہ روحانی طریق پسند ہے۔

ان عبارات سے یہ نتائج نکالے گئے ہیں کہ مرزا صاحب یہ بخوبی جانتے تھے۔ یسوع مسیح ایک ہی شخص ہے۔ جیسا کہ ان کی اپنی تحریرات سے ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے یسوع کے نام سے جو کچھ کہا ہے۔ اس سے عیسیٰ علیہ السلام مراد نہیں ہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ان میں سے بعض فقرات عیسائی پادریوں کے جوابات میں الزامی صورت میں بیان کئے گئے ہیں۔ تو یہ جواب بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ان فقرات میں اس قسم کے الفاظ کہ ”حق بات یہ ہے“ وغیرہ وغیرہ الزامی جوابات نہیں ہو سکتے۔ بلکہ مرزا صاحب کی اپنی تحقیق کا نتیجہ شمار ہوں گے نیز دافع السلام کے حوالہ سے جو عبارت نقل کی گئی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ خدا کے نزدیک بھی عیسیٰ علیہ السلام کو ”حضور نہ کہنے کیلئے مذکورہ بالا قصے مانع تھے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی جو علم الغیب ہے۔ یہ بات محقق تھی۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں یہ بیوب موجود ہیں۔ اس لئے اس کا نام ”حضور“ نہ رکھا۔ اور جو گالیاں مرزا صاحب نے پہلے انجام انہم“ میں عیسیٰ علیہ السلام کو دی تھیں وہی یہاں مذکور ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پاکبازی اور راست گوئی کا ثبوت احادیث سے ملتا ہے۔ اور قرآن نے ان کی شان میں کہلے کہ **وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ** ط رسولوں کو دنیا میں صرف اس لئے بھیجا جاتا ہے کہ لوگ ان کے نقش قدم پر چلیں اور ان کی اطاعت کریں۔ مرزا صاحب نے عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں نہایت گستاخانہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔ ان کے معجزات کو مسمریزم کہا ہے۔ حالانکہ مسمریزم اقسام سحر اور توجہ نفسانی کا ایک شعبہ ہے۔ کہ جس کا کسی پاکباز یا نیک آدمی کے ساتھ اختصاص نہیں کیا جاسکتا۔ سرمد اخلاق بلکہ کافر تک اس کا عمل کر سکتا ہے۔ اور پھر ایسے معجزات کو جسکو قرآن کریم نے نہایت شان اور عظمت سے ذکر فرمایا ہے۔ عمل تہرب یا مسمریزم کہنا نہایت گستاخی اور بے ادبی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جو معجزات ثابت کئے گئے ہیں ان کو آج تک

تمام علمائے امت اور عامۃ المسلمین قبول کرتے رہے۔ مرزا صاحب نے ان کو مسمر نذیم وغیرہ کی طرف منسوب کر کے خواہ مخواہ ایک دغہ اندازی فرمائی۔ ان کا عیسیٰ علیہ السلام کی اس طرح توہین کہہنی ایک وجہ کفر ہے۔ پتہ پتہ مرزا صاحب نے بھی اپنی کتاب ضمیمہ "چشمہ معرفت" صفحہ ۱ پر جو عبارت بالفاظ ذیل: "شاید کسی صاحب کے دل میں یہ بھی خیال آوے..... تا موجب نزول غضب الہی درج کی ہے۔ اس میں صاف بکھا ہے کہ اسلام میں کسی نبی کی تحقیر کفر ہے۔ اور سب پر ایمان لانا فرض ہے۔ اور کسی نبی کا اشارہ سے بھی تحقیر کرنا صحت معصیت ہے اور موجب نزول غضب الہی۔"

اس کی تائید میں بجانب گواہان مدعیہ چند سندات قرآن احادیث اور اقوال بزرگان پیش کئے گئے ہیں۔ جن کی یہاں تفصیل درج کرنے کی ضرورت نہیں۔ صرف مختصراً یہ درج کیا جاتا ہے۔ کہ سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے یہ کہا ہے کہ سب اور ناسزا کہنا پیغمبروں کو اور طعن کہنا چشمہ ہے۔ جمیع انواع کفر کا اور مجموعہ ہے۔ جملہ گمراہیوں کا۔ اور ہر کفر اس کی شاخ ہے اور کسی نبی کی اذیت توہین کرنا بھی کفر ہے۔ اور کہ امام احمد فرماتے ہیں۔ کہ جس نے ناسزا کہا نبی کریم کو یا تنقیص کی مسلمان ہو، یہ شخص یا کافر۔ سزا اس کی قتل ہے اور علماء نے کہا ہے۔ کہ تعرض کرنا خدا کی سب کا یا رسول کی سب کا ارتداد ہے۔ اور موجب قتل ہے۔ آگے بیان کرتے ہیں کہ علماء نے جب توراہ اور انجیل محرف سے کوئی چیز محرف نقل کی ہے۔ ان سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ کتابیں تحریف شدہ ہیں۔ مرزا صاحب یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نالائق تھے۔ علماء کے طریق میں اور مرزا صاحب کے طریق میں کفر اور اسلام کا فرق ہے۔

مولوی خبیم الدین صاحب گواہ مدعیہ نے بیان کیلئے کہ مرزا صاحب نے اپنے آپ کو یوسف علیہ السلام سے بھی افضل کہا ہے اور کتاب دافع البلاد کے صفحہ ۲ پر مرزا صاحب کہتے ہیں۔ کہ "ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو۔ اس سے بہتر غلام احمد ہے اور یہ کہ باتیں شاعرانہ نہیں

بلکہ واقعی ہے۔ کتاب زالتہ الادبام جلد اول صفحہ ۶۹ سے مرزا صاحب کا ایک اور شعر نقل کیا گیا ہے جو بالفاظ ذیل ہے "ایک منم کہ حسب بشارات آدم عیسیٰ کجا

است تا بنہد پالمسرم۔
 مولوی انور شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن شریف نے یہود اور نصاریٰ کے عقائد کی جھکنی کی ہے۔ اور ایک حرف موسیٰ و عیسیٰ علیہ السلام کی تنگ کا اشارہ یا کنایہ نہیں فرمایا۔ اب اس عنوان توہین انبیاء کے دوسرے ہیڈنگ پر گواہان مدعیہ کے پیش کردہ دلائل بیان کئے جاتے ہیں۔

توہین انبیاء کے تحت گواہان مدعیہ نے یہ دکھلایا ہے کہ مرزا صاحب نے نہ صرف علیہ السلام کی توہین کی ہے۔ بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بھی توہین کی ہے۔ بحوالہ کتاب حقیقت النبوة صفحہ ۲۶۵۔ مرزا صاحب کے اس قول سے کہ میں بروز می طور وہی خاتم انبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیس بیس پہلے ہوا میں احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے۔ اور مجھے آنحضرت صلعم کا ہی وجود قرار دیا۔ لیس اس طور سے آنحضرت و صلعم کے خاتم النبیین ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا۔ کیونکہ ظل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ مرزا صاحب کو نبوت ملنے سے خاتمیت محمدیہ میں فرق نہ آنے کے یہی معنی ہو سکتے ہیں کہ مرزا صاحب اور سرور عالم صلعم ایک ہوں جو عقلاً اور نقلاً باطل ہے۔ اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بطریق تاسخ معاذ اللہ مرزا صاحب ہوئے۔ تو تاسخ کفر۔ اور اگر یہ معنی ہیں۔ کہ سایہ ذی سایہ کا عین ہونا ہے تو یہ لسی باطل بات ہے۔ کہ دنیا جانتی ہے۔ کسی شخص کا سایہ ذی سایہ نہیں ہو سکتا تو اب مرزا صاحب کا نبی ہونا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی ہونا نہیں ہے اگر فرض محال یہ مان لیا جائے کہ سایہ اور ذی سایہ ایک ہونا ہے تو رسول اللہ صلعم ظل اللہ ہیں۔ اور اس طرح وہ لغو باللہ عین خدا ہیں اور مرزا صاحب عین محمد صلعم ہیں تو اس سے صاف یہ نتیجہ ہے کہ مرزا صاحب عین خدا ہونے۔ اگر ظل ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ذی ظل کی کوئی صفت اس میں آجائے تو ایسی ظلیت تمام دنیا کو حاصل ہے۔

بہر حال مرزا صاحب کا دعویٰ اتحاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلی توہین ہے۔

مرزا صاحب کے اس قول سے کہ "تمام کمالات متفرقہ جو تمام دیگر انبیاء میں پائے جاتے ہیں..... نبی کریم کے ظل میں معلوم ہوتا ہے کہ بروزی اور ظلی نبوت کوئی کم یا گھٹیا درجہ کی نبوت نہیں۔ کیونکہ ظل اور بروز کے لفظ سے یہ دھوکا پڑ سکتا تھا کہ مرزا صاحب کی مراد یہ ہو گی کہ آئینہ میں جیسے کسی شخص کا عکس پڑتا ہے۔ اسی طرح مرزا صاحب میں بھی کمالات محمدیہ اور نبوت کا عکس پڑتا ہے۔ مگر مرزا صاحب نبی نہیں ہیں۔ اس واسطے کہ کسی شخص کا عکس جو آئینہ میں ہے۔ اس ذی عکس کی کوئی حقیقی صفت نہیں ہو سکتی۔ مرزا صاحب کی اس عبارت نے اس شبہ کو ایسا صاف اور حل کر دیا ہے کہ شبہ کی گنجائش نہیں رہی۔ مرزا صاحب کا لفظ ظل عکس اور بروز کا ہے۔ مگر مراد ہے حقیقت کا ظہور۔ کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ جتنے انبیاء گزرے ہیں۔ وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک صفت میں ظل تھے۔ اور باوجود اس ایک صفت میں ظل ہونے کے وہ مستقل نبی صاحب شریعت تھے اور حقیقی نبی تھے۔ اور مرزا صاحب تمام صفات میں ظل ہیں۔ تو ثابت ہو گیا کہ مرزا صاحب تمام نبیوں سے بڑے تھے۔ اور یہ ایک بہت بڑا کفر ہے۔ مرزا صاحب بار بار تحریر کیے ہیں کہ پہلے نبیوں کی نبوت براہ راست اور میری نبوت فیض محمدی کا اثر ہے۔ ان کا یہ قول بھی غلط ہو جاتا ہے۔ اس واسطے کہ جب ہر ایک نبوت ان کے نزدیک آپ کا فیض تھا۔ اس طرح مرزا صاحب کی نبوت بھی آپ کا فیض ہے۔ لہذا یہ فرق کرنا بھی باطل سوار۔

مرزا صاحب کے ایک اور قول سے جو تریاق القلوب ماشیہ صفحہ ۳۷ سے نقل کیا گیا ہے۔ اور جو بالفاظ ذیل ہے۔

"غرض جیسا کہ صوفیوں کے نزدیک مانا گیا ہے کہ مراتب وجود درود میں سیرت ابراہیم نے اپنی خواہ طبعیت اور دلی مشابہت کے لحاظ سے قریباً اڑھائی تزار برس اپنی دنیا کے بعد پھر عبداللہ پر عبدالمطلب کے گھر میں جنم لیا۔ اور محمد کے نام سے پکارا گیا۔" سید النور شاہ صاحب

گواہ مدعیہ نے یہ استدلال کیا ہے۔ کہ

(الف) اس قول سے یہ لازم آتا ہے کہ سرورِ عالم صلعم کوئی چیز نہیں رہتے اور آپ کا تشریف لانا بعینہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تشریف لانا ہے۔ گویا کہ ابراہیم علیہ السلام کے یہ دو ہیں۔ گویا اصل ابراہیم علیہ السلام رہے۔ اور آئینہ رسول اللہ صلعم ہوئے۔ اور چونکہ ظل اور صاحبِ ظل میں مرزا صاحب کے نزدیک بعینت ہے۔ اور اس وجہ سے وہ اپنے کو عین محمد کہتے ہیں۔ تو جب محمد صلعم بروز ابراہیم علیہ السلام ہوئے تو عین ابراہیم علیہ السلام ہوئے۔ اس سے صاف لازم آتا ہے کہ معاذ اللہ رسول اللہ صلعم کا کوئی وجود بالاستقلال نہیں۔ اور نہ ان کی نبوت کوئی مستقل شے ہے۔

رب، رسول اللہ صلعم ابراہیم علیہ السلام کے بروز ہوئے۔ اور خاتم النبیین آپ ہوئے۔ کہ خاتم بروز اور ظل ہوتا ہے۔ صاحبِ ظل اور اصل نہیں ہوتا۔ اس طرح مرزا صاحب آنحضرت صلعم کے بروز ہوئے تو خاتم النبیین مرزا صاحب ہوئے نہ کہ آنحضرت صلعم۔

(ج) جب رسول اللہ صلعم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بروز ہوئے تو جملہ کلمات نبوت اگر مجتمع ہوں گے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام میں ہوں گے نہ کہ آنحضرت صلعم میں۔ یہ باطل اور بے معنی ہے۔

اس کے علاوہ یہ مضمون بھی فی نفسہ کہ آنحضرت صلعم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بروز ہوں اور ابراہیم علیہ السلام آنحضرت کے بروز ہوں۔ بے معنی اور فضول ہے اسلام میں جنم کا عقیدہ کفر ہے۔ اور یہ ہے حقیقت مرزا صاحب کے نزدیک مجازی اور ظلی اور بروزی کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کے سلسلہ میں مولوی نجم الدین صاحب گواہ مدعیہ نے حسب ذیل مزید واقعات بیان کئے ہیں۔

کسی کے توہین کرنے کے یہ معنی ہیں کہ یا تو اس میں کوئی عیب جسمانی ظاہر کیا جائے یا کسی بد اخلاقی کیساتھ اس کو متہم کیا جائے۔ یا کسی کے لقب کو جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اسے سرفراز فرمایا ہے۔ اس کا اپنے لئے دعوئے کیا جائے۔ یا کوئی ایسی چیز

اس کے سامنے یا اس کی شان میں کہی جائے۔ جس سے اس کی دل آزاری ہو چنانچہ چند آیات قرآنی جن میں اللہ تعالیٰ سبحانہ و تعالیٰ نے نبی پاک محمد صلعم کو چند مراتب اور مقامات علیہ سے مشرف فرمایا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے اوپر چسپاں کرے تو لامحالہ رسول اللہ صلعم کی شان میں گستاخی اور بے ادبی سمجھی جائے گی۔ چنانچہ آیات ذیل۔

آیت سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ..... الخ

جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے شانِ معراج کا ذکر فرمایا گیا۔

دوسری آیت لَمْ يَلْمِزْنَاكَ مَلَأَ خَدَاكَ مِنَ الْغَمِّ..... الخ

جیسے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے جو قرب الہی جناب رب العزّة سے حاصل ہوا تھا۔ یا بقول دیگر جبرائیل علیہ السلام سے ہوا ذکر ہوا ہے۔

وآیت مَا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا..... الخ

وآیت قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ..... الخ

وآیت إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ..... الخ

مرزا صاحب نے اپنے اوپر نازل ہونی بیان کی ہیں۔ اور مقام محمود کو بھی اپنے حق میں تجویز کیا ہے۔ اور ان اشعار میں جو آگے بیان کئے گئے ہیں۔ کسی نبی کی استثنائیت نہیں کی گئی۔ ہمارے نبی کریم بھی انبیاء کی جماعت میں داخل ہیں۔ لفظ انبیاء کسی خاص نبی کے ساتھ مختص نہیں۔ بلکہ تمام پر حاوی اور مشتمل ہے۔ دوسرے شعر کے مصرع ثانی میں اپنی افضلیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ حقیقت الوحی صفحہ ۸۹ پر لکھتے ہیں "آسان سے کئی تخت اترے تیرے تیرے تختِ نب سے اور بچھایا گیا۔ اس میں بھی رسول اللہ صلعم کی توہین ہے۔" مرزا صاحب کتاب تحفہ گولرودیہ کے صفحہ ۶۳ پر لکھتے ہیں کہ مثلاً کوئی شریک النفس ان میں ہزار معجزات کا کبھی ذکر نہ کرے۔ جو ہمارے نبی صلعم سے ظہور میں آئے۔ اور ہزاروں احمدیہ میں لکھتے ہیں کہ ان چند سطروں میں جو پیشینگویاں ہیں۔ وہ استفادہ نشانوں پر مشتمل ہیں جو دس لاکھ سے زائد ہوں گے۔ اور نشان بھی ایسے کھلے کھلے ہیں۔ جو اول درجہ پر ترقی عادت ہیں۔ ان عبارات سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم کے معجزات

کو تین ہزار قرار دیا اور اپنے معجزات دس لاکھ کیونکہ معجزہ خرق عادت ہوتا ہے۔ مرزا صاحب نے رسول اللہ صلعم پر اپنی کتنی بڑی فضیلت بیان کی۔ اس قسم کی توہین کو توہین لرزمی کہا گیا ہے جس سے مراد یہ ہے کہ عبارت اس لئے نہیں لائی گئی کہ تنقیص کرے۔ مگر وہ عبارت صادق نہیں آتی۔ جہنگ تنقیص موجود نہ ہو۔ مذکورہ بالا عبارات میں اس قسم کی تنقیص پائی جاتی ہے۔

اس ضمن میں مرزا صاحب کا ایک قول اربعین ص ۷۷ سے نقل کیا گیا ہے۔ جو بالفاظ ذیل ہے۔ ہاں اگر یہی اعتراض ہو کہ اس جگہ وہ معجزات کہاں ہیں تو میں صرف یہی جواب نہیں دوں گا۔ کہ میں معجزات دکھلا سکتا ہوں۔ بلکہ خدا کے فضل و کرم سے میرا جواب یہ ہے کہ اُس نے میرا دعویٰ ثابت کرنے کیلئے اس قدر معجزات دکھلائے ہیں کہ بہت ہی کم ہی ایسے آتے ہیں جنہوں نے اس قدر معجزات دکھلائے ہوں کتاب اعجاز احمدی صفحہ ۱۰ پر مرزا صاحب کا ایک شعر ہے جو بالفاظ ذیل سے شروع ہوتا ہے "لہ خسف القمر المنیر وان لہ" جس کا یہ مطلب ہے کہ اس کیلئے چاند کے خوف کا نشان ظاہر ہوا۔ اور میرے لئے چاند اور سورج کا۔ اس میں شوق القمر کے معجزہ کو چاند گم ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور شوق القمر کا انکار ہے۔ زیادہ تر توہین لفظ لہ کے استعمال اور طرز خطاب سے اخذ کی جاتی ہے جس سے صاف طور پر تقابلی دکھا کر اپنی فضیلت دکھلائی گئی ہے۔

اس طرح خطبہ الہامیہ صفحہ ۲۰ سطر ۲ کے ایک منقولہ سے ظاہر کیا گیا ہے کہ اس میں آدم علیہ السلام کی توہین کی گئی ہے۔ اور اس میں جو یہ الفاظ درج ہیں کہ یہ وعدہ قرآن میں لکھا ہوا ہے کہ مسیح موعود شیطان کو شکست دینگا۔ یہ بالکل خلاف واقع بھوٹ ہے۔ قرآن شریف میں اس قسم کی کوئی آیت نہیں ہے۔

اشعار مجملہ بیان مولوی نجم الدین صاحب گواہ مدعیہ حسب ذیل ہیں۔

آنکہ واد است سر نبی راجام داداں جام رام را تسمام
انبیاء گر چہ پو وہ اند لیسے من بہ عرفاں نہ کترم نکسے

کم نیم زان ہمہ برے یقین
 ہر کہ گوید دروغ بہت و لعین
 اور جو مضمون ان اشعار میں ادا کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق سید انور شاہ صاحب گواہ
 کی طرف سے کہا گیا ہے۔ کہ باہمی فضیلت کا باب انبیاء میں فرق مراتب کا ہے۔ اور
 جو پیغمبر افضل ہے۔ وہ کسی قرینہ سے ظاہر ہو جائے گا۔ کہ وہ کسی دوسرے سے افضل
 ہے۔ اور نبی کریم صلعم نے اپنی امت کو یہ پہنچایا ہے۔ مگر اس احتیاط کیساتھ کہ اس
 سے فوق متصور نہیں۔ اور ایسی فضیلت مینا ایک پیغمبر کو اگرچہ واقعی ہو کہ جس میں دوسرے
 کی توہین لازم آتی ہو۔ کفر صریح ہے۔

چھٹی و تہ تکفیر میں مدعیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے۔ کہ مرزا صاحب از التہ الامام
 کے صفحہ ۲۳ پر لکھتے ہیں کہ تواتر کی جو بات سے وہ غلط نہیں ٹھہرائی جا سکتی۔ اور
 تواتر اگر غیر توہین کا ہو۔ تو وہ بھی قبول کیا جائے گا۔

پھر اس کے ساتھ اگلے صفحہ پر جو کچھ لکھتے ہیں اس سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام
 کے دوبارہ تشریف لانے کی پیشینگوئی ایسی متواتر پیشینگوئیوں سے جو خیر القرون میں
 تمام ممالک اسلام میں پائی گئی تھی۔ اور مسلمات میں سے سمجھی گئی۔ اور یہ اول درجہ کی پیشینگوئی
 ہے جس کو سب نے قبول کر لیا تھا۔ اور جس قدر صحاح میں پیشگوئیاں لکھی گئی ہیں۔ کوئی اس کے
 ہم پہلو نہیں۔ انجیل بھی اسکی مصدق ہے۔ مگر اس کے بعد جب مرزا صاحب کو اس
 پیشینگوئی کا انکار مطلوب ہوا۔ تو انہوں نے یہ کہا کہ یہ بہت بے ادبلی کی بات ہے
 کہ یہ کہا جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام نہیں مرے۔ یہ نہیں ہے۔ مگر شرک عظیم۔ یہ عقیدہ
 حیات کا مسلمانوں میں لفظیوں سے آیا ہے۔ پھر اس عقیدہ کو نصاریٰ نے بہت مال خرچ
 کر کے مسلمانوں میں شائع کیا۔ شہر میں اور گاؤں میں اس وجہ سے کہ ان میں کوئی
 شخص عقلمند نہ تھا۔ اور پہلے مسلمانوں سے یہ قول نہیں صادر ہوا۔ مگر لغزش کے طور پر
 وہ لوگ معذور ہیں۔ اللہ کے نزدیک اس واسطے کہ وہ لوگ گنہگار تھے۔ مگر قصداً نہ تھے
 اور خطا کی وجہ یہ ہوتی کہ وہ سادہ لوح آدمی تھے۔ اگر کوئی مجتہد خطا کرے تو اللہ اس کی
 غلطی کو معاف بھی کرتا ہے۔ ہاں جس کے پاس امام آیا۔ حکم بنیات کیساتھ اور جس نے رشک کو

مگر اسے ظاہر کر دیا۔ اور پھر بھی انہوں نے اعتراض کیا۔ وہ لوگ ماخوذ ہوں گے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب میات عیسیٰ علیہ السلام کو شرک نہیں بلکہ شرکِ عظیم فرماتے ہیں۔ اور وعدہ الہی کے مطابق بتشاء آیت **إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ** ان لیشک..... الح شرک کا معاف ہونا قطعاً محال ہے۔ اس سے لازم آتا ہے کہ مرزا صاحب کے اس قول کی بناء پر ساری امت گمراہ تھی۔ اور ساری امت مشرک و کافر تھی۔ اور جو شخص عام امت کو گمراہ اور کافر کہے۔ وہ خود کافر ہوتا ہے مرزا صاحب کے اس قول سے اسلام پر اتنا بڑا حملہ ہوا ہے۔ کہ اسلام کی ایک ذرہ بھسہ وقعت نہیں رہ سکتی۔ جبکہ یہ ثابت بھی ہو گیا۔ کہ یہ عقیدہ بطریق تو اتر تمام مالک اسلام میں پھیل گیا تھا۔ اور سب نے قبول بھی کر لیا۔ اور کسی چھوٹے بڑے کو اس کی برائی کی اطلاع نہ ہوئی۔ اگر مرزا صاحب تشریف نہ لاتے۔ تو جیسے پہلی ساری امت معاذ اللہ شرکِ عظیم میں مبتلا تھی۔ آگے کی طرح۔ شرکِ عظیم میں مبتلا رہتی اور ممکن ہے کہ آئندہ کوئی اور شخص مجدد یا رسول اللہ صلعم کا بروز سنکر ۲۰ - ۲۵۔ اور شرک ثابت کر دے۔ تو جب قرآن اور حدیث اور مسلمانوں کا ایسا مذہب ہے۔ کہ شرکِ عظیم کا اس میں تیرہ سو برس تک پتہ نہ لگا۔ تو پھر اس مذہب کا کیا اعتبار رہے گا۔

چنانچہ مرزا صاحب ایک اور استفہام ضمیر حقیقت الوحی صفحہ ۲ پر لکھتے ہیں۔ کہ جو شخص بالقصد اس کا خلاف کرے۔ اور یہ کہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہے۔ پس ان لوگوں میں سے ہے۔ کہ جو قرآن کے کافر ہیں۔ ان جو لوگ مجھ سے پہلے گذر گئے وہ اپنے اللہ کے نزدیک معدوم ہیں“

دوسری کتاب دافع البلاد میں صفحہ ۱۵ پر لکھتے ہیں کہ ہم نے سنا ہے۔ کہ وہ بھی دوسرے مونیوں کی طرح اپنے مشرکانہ عقیدہ کی حمایت میں کہ تاکہ کی طرح حضرت مسیح ابن مریم کو موت سے بچالیں۔ اور دوبارہ آتا کر خاتم الانبیاء بنا دیں۔ بڑی جانکاہی سے کوشش کر رہے ہیں۔ الفضل جلد ۳ نمبر ۳ مورخہ ۲۹۔ جون ۱۹۱۵ء صفحہ ۲ پر درج ہے۔ پس ان معنوں میں مسیح موعود جو آنحضرت مسلم کی بعثت ثانی کے ظہور کا ذریعہ ہے۔ اس کے احمد

اور نبی اللہ ہونے سے انکار کرنا گویا آنحضرت کی لعنت ثانی اور نبی اللہ ہونے سے انکار کرنا ہے جو منکر کو دائرہ اسلام سے خارج اور پکا کافر بنا دینے والا ہے۔

اس ضمن میں مولوی نجم الدین صاحب گواہ مدنی نے ایک وجہ کفریہ بیان کی ہے کہ مرزا صاحب نے تمام مسلمانان عالم کو جو ان کی جماعت میں داخل نہیں خواہ وہ ان کو کافر کہیں یا نہ کہیں۔ اور بقول خلیفہ ثانی ان کو دعوت پہنچے، یا نہ خارج از اسلام قرار دیا ہے۔ جو شخص تمام اُمت محمدیہ کو اسلام سے خارج کہتا ہے۔ وہ کس طرح خود کو کفر کی زد سے بچ سکیگا۔

ان وجوہ کفر کے علاوہ مرزا صاحب کے حسب ذیل اعتقادات بھی عامۃ المسلمین کے اعتقادات کے خلاف بیان کئے گئے ہیں۔

مرزا صاحب یہ کہتے ہیں کہ قیامت کے معنی جو مسلمان ان تک سمجھتے تھے۔ اس معنی پر قیامت نہیں ہو سکی۔ قرآن میں جو نفع صور آیا ہے نہ اس سے مراد ہے کہ واقعی کوئی نفع صور ہے۔ اور نہ مراد ہے کہ قیامت قائم ہوگی۔ بلکہ اس سے مراد مرزا صاحب کا تشریف لانا ہے۔ قیامت کے متعلق جتنی آیات قرآن مجید میں ہیں اور جتنی احادیث میں ہیں ان تمام امور کا انکار ہے۔ صرف لفظوں کا انکار نہیں۔ مگر جن معنوں سے قرآن اور حدیث قیامت کو بیان کرتے ہیں۔ ان چیزوں کا انکار ہے مردوں کا قبروں سے اٹھنا جو بہت سی آیات میں مذکور ہے اس کا بھی انکار ہے۔ وغیرہ وغیرہ

مولوی غلام محمد صاحب مشیح الجامعہ گواہ مدنی نے مرزا صاحب کے چند دیگر اقوال بھی خلاف شریعت بیان کئے ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں۔

مثلاً مرزا صاحب اپنی کتاب آئینہ کمالات صفحہ ۵۶۳ پر لکھتے ہیں کہ میں نے خواب میں اپنے آپ کو اللہ کا عین دیکھا۔ اور یقین کیا کہ میں وہی ہوں۔ اور خدا کی والوہیت میرے رگ و ریشہ میں گھس گئی۔ اور میں نے اس حالت میں دیکھا کہ ہم نیا نظام بنانا چاہتے ہیں۔ نئی زمین۔ نیا آسمان۔ پس پہلے میں نے آسمان اور زمین کو اجالی صورت میں پیدا کیا۔ جس میں کوئی تعزیری و ترتیب نہ تھی۔ پھر میں نے ان کو

مرتب کیا۔ اور میں اپنے دل سے جانتا تھا۔ کہ میں ان کے پیدا کرنے پر قدرت رکھتا ہوں۔ پھر میں نے سب سے قریبی آسان کو پیدا کیا۔ پھر میں نے کہا۔ کہ انسان ینا السموات الدنیا بمصایح..... الخ پھر میں نے کہا۔ کہ ہم انسان کو کچھ پڑھیں سے پیدا کریں گے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ مرزا صاحب نے اُلوہیت کا دعوے کیا۔ اور اپنے آپ کو خالق جانا۔ اور کوئی شخص جب خدائی دعوے کرے۔ اور اپنے آپ کو خالق جانے تو وہ اسلام سے مرد ہو جاتا ہے۔

حقیقت الوحی صفحہ ۸۶ پر لکھتے ہیں۔ کہ خدا نے مجھے فرمایا۔ کہ تو مجھ سے بمنزلہ میرے فرزند کے ہے۔ اسی کتاب حقیقت الوحی کے صفحہ ۱۰۳ پر لکھتے ہیں۔ کہ میں رسول کے ساتھ ہو کر جواب دوں گا۔ کبھی فطاکروں گا۔ کبھی ثواب کو پہنچوں گا۔ اس سے خدا کو غلطی کرنے والا قرار دیا گیا ہے۔

اسی کتاب کے صفحہ ۷۵ پر لکھتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جیسے زمین و آسمان ہمارے ساتھ سیطرہ تمہارے ساتھ بھی ہے۔ اس سے مرزا صاحب نے اللہ تعالیٰ کی طرح اپنے آپ کو حاضرِ نظر جانا۔ اسی کتاب کے صفحہ ۱۰۵ پر لکھتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ تو جس چیز کو بنا چاہے۔ پس کن کہے۔ وہ ہو جائے گی۔

البشر نے جلد دوم صفحہ ۷۹ پر لکھتے ہیں۔ کہ میں نماز بھی پڑھتا ہوں۔ روزے بھی رکھتا ہوں۔ جاگتا بھی ہوں۔ اور سوتا بھی ہوں۔ جب طرح میں اللہ ہوں۔ اسی طرح تیرے لئے بھی میں نے ازلیت کے انوار کر دیئے ہیں۔ اور تو بھی ازلی ہے۔

توضیح المرام کے صفحہ ۷۵ پر لکھتے ہیں۔ کہ قیوم العالمین ایک ایسا وجود عظیم ہے کہ جس کے بیشمار ہاتھ اور بیشمار پیر ہیں اور ہر ایک عفو اس کثرت سے ہے۔ کہ تعداد سے خارج اور لا انتہا عرض و طول رکھتا ہے۔ اور تیندو کے کی طرح اس وجود عظیم کی تاریں بھی ہیں جو صفحہ ہستی کے تمام کناروں تک پھیل رہی ہیں۔ اور کشن کا کام دے رہی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرزا صاحب خداوند تعالیٰ کو تیندو کے کیسا تھ تشبیہ دیتے ہیں۔ کتاب ضمیمہ تریاق صفحہ ۳۹ پر مرزا صاحب لکھتے ہیں۔ کہ نئی زندگی ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی

جتیک ایک نیا یقین پیدا نہ ہو۔ اور کبھی نیا یقین پیدا نہیں ہو سکتا۔ جتیک موسیٰ مسیح اور یعقوب اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح نئے معجزات نہ دکھلائے جائیں۔ نئی زندگی انہی کو ملتی ہے۔ جن کا خدا نیا ہو۔

اس سے مرزا صاحب نے خدا کو حادث بتلایا۔ اور یہ عقائد وہ ہیں۔ جو مرزا صاحب نے اللہ تعالیٰ کے متعلق رکھے ہیں۔ اور ان سے یقیناً ایک مسلمان مرتد ہو جاتا، قرآن شریف کے متعلق مرزا صاحب کا عقیدہ حسب ذیل ہے۔

حقیقت الوحی صفر ۸ پر لکھتے ہیں۔ کہ قرآن شریف خدا کی کتاب اور میرے منہ کی باتیں ہیں۔ ان دلائل کے علاوہ مدعیہ کئی طرف سے چند نظائر بمثل مسیحا کذاب وغیرہ کے بھی پیش کی گئی ہیں۔ کہ انہوں نے دعویٰ نبوت کیا تھا۔ اور اس بناء پر انہیں قتل کیا گیا۔ ان کی زیادہ تفصیل درج کرنے کی ضرورت نہیں۔

اس تمام بحث سے جو اوپر بیان ہوئی، حسب ذیل نتائج برآمد کئے گئے ہیں۔

- ۱۔ مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت شریعتاً شرعیہ کیا۔ جو باتفاق امت اور باتفاق مرزا صاحب کفر۔ مرزا صاحب نے اپنے کلام میں شریعت کی تشریح بھی کر دی ہے۔
- ۲۔ مرزا صاحب نے اقرار فرمایا کہ خاتم النبیین کے بعد مطلق نبوت منقطع ہے۔ اور جو دعویٰ نبوت کرے وہ کافر ہے۔ مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت کیا اس لئے کافر ہو گیا۔
- ۳۔ مرزا صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ خاتم النبیین کے بعد کوئی نبی جدید یا قیام نہیں آسکتا۔ اور اس کو قرآن کا انکار کرنا بتلایا ہے۔ لیکن پھر خود دعویٰ نبوت کیا۔
- ۴۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ آپ کا خاتم الانبیاء ہونا۔ خاتم النبیین اور "لا نبی بعدی" سے ثابت ہے۔ اور پھر اس کے بعد یہ کہا۔ کہ جو ایسا کہے کہ آپ کے بعد نبوت نہیں آسکتی۔ وہ خود کافر ہے۔ اس لئے بھی مرزا صاحب کافر ہوئے۔

۵۔ مرزا صاحب نے جو انہی نبوت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کفر قرار دیا ہے۔ اب مرزا صاحب اس نبوت کو فرض قرار دیتے ہیں اور ایمان قرار دیتے ہیں۔ یہ اس سے بڑھ کر کفر ہے۔

۶۔ مرزا صاحب دروازہ نبوت کو کھول کر اپنے ہی تک محدود نہیں رکھتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ قیامت تک کھلا رہے گا۔ اس وجہ سے بھی کافر ہوئے۔

۷۔ مرزا صاحب یہ نہیں کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی دوسرا نبی آئیگا۔ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ ہزار ہا بار محمد رسول اللہ صلعم ہی خود بروز فرمائیں گو یا رسول اللہ صلعم جیسے ہزاروں لوگ یا ہزاروں نبی اب واقع ہو سکتے ہیں۔ امکان ذاتی نہیں بلکہ امکان وقوعی ہے۔ پھر مرزا صاحب نے یہ کہا کہ سرورِ عالم کی ایک بعثت پہلے تھی۔ ایک بعثت ثانیہ ہوئی۔ اس کا اصل تاسخ ہے جو تاسخ کا قائل ہے۔ وہ کافر ہے۔

۸۔ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ میں عین محمد ہوں۔ اس میں سرورِ عالم کی توہین ہے۔ اگر واقعی میں ہیں تو کھلا ہوا کفر۔ اگر عین محمد نہیں ہیں۔ تو ان کے بعد دوسرے نبی ہوئے اور ختم نبوت کی ہر ٹوٹ گئی۔ یہ اور وجہ کفر کی ہوئی۔

۹۔ مرزا صاحب نے دعویٰ وحی کیا۔ اور ساتھ ہی دعویٰ وحی نبوت کیا جو کفر ہے۔
۱۰۔ مرزا صاحب نے اس وحی کو قرآن۔ تورات اور انجیل کے برابر کہا۔ اس بنا پر قرآن آخر الکتب باقی نہیں رہتا۔ یہ بھی وجہ کفر ہے۔

۱۱۔ مرزا صاحب نے اپنے اقرار سے اور تمام علماء نے اس کی تفریح کی کہ جو شخص کسی نبی کو گالی دے۔ یا توہین کرے۔ وہ کافر ہے۔ مرزا صاحب نے عیسیٰ علیہ السلام کی کئی وجہ سے توہین کی۔ ہر توہین موجب کفر ہے۔ علاوہ ازیں مرزا صاحب نے آدم علیہ السلام کی سرورِ عالم کی توہین کی۔ اس لئے بھی کافر ہوئے۔

۱۲۔ مرزا صاحب نے احکامِ شریعت کو بدلا لہذا اس وجہ سے بھی مرزا صاحب پر کفر لازم آتا ہے۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ کسی احمدی عورت کا غیر احمدی سے نکاح جائز نہیں نیز یہ کہ کسی غیر احمدی کا جنازہ پڑھنا جائز نہیں نیز فرمایا کہ پس یاد رکھو کہ خدا نے مجھے اطلاع دی ہے۔ تمہارے پر حرام اہل قطعی حرام ہے کہ کسی مکفر مکذیب یا مرتد کے پیچھے نماز پڑھو۔ بلکہ چاہیے کہ

تھا یا وہی امام مہر مجتہد میں سے ہو۔ حاشیہ تحفہ گو لٹریچر صفحہ ۱۸ (۱۲) مرزا صاحب نے فرمایا ہے کہ جو مجھے زمانے وہ کافر ہے۔

۱۳۔ مرزا صاحب نے نفع صور کا انکار کیا۔ مردوں کو قبروں سے اٹھنے سے انکار ہے جس طریق سے قیامت کی خبر قرآن اور حدیث میں آئی۔ ان سے بالکل انکار ہے صرف ظاہری الفاظ ہی رکھے۔ مگر معنی اکت بیان کئے۔ یہ وجوہ بھی مرزا صاحب کی تکفیر کے ہیں۔ لہذا ان وجوہ پر کسی مسلمان مرد و عورت کا کسی احمدی مرد و عورت سے نکاح جائز نہیں۔ اگر نکاح ہو گیا تو اور نکاح کے بعد کوئی اس مذہب میں داخل ہو جائے۔ تو نکاح فوراً فسخ ہو جائیگا۔

اور اپنے اس ادعا کی تائید میں چند دیگر علماء کے فتاویٰ بھی پیش کئے گئے ہیں جو مثل کے ساتھ شامل ہیں۔ اور سید النور شاہ صاحب گواہ نے مصر اور شام کے دو مطبوعہ فتووں کا حوالہ بھی اپنے بیان میں دیا ہے۔

تحریری فتوے جو مثل پر لائے گئے ہیں۔ حسب ذیل مقامات کے علماء کے ہیں۔
مکہ معظمہ۔ ریاست رام پور۔ دارالافتاء ریاست بھوپال۔ ہمایوں سندھ
بمبئی۔ ڈابھیل۔ دہلی۔ سہارن پور۔ تھانہ بھون۔ ملتان۔ علماء کی فہرست میں
شیخ عبداللہ صاحب رئیس القضاة مکہ معظمہ مفتی کفایت اللہ صاحب صدر جمعیت
علماء ہند اور مولوی اشرف علی صاحب کے اسم بھی ہیں۔

فوق ثانی کی طرف سے ان دلائل کا جو مرزا صاحب کی تکفیر کے متعلق مدعیہ کی طرف سے پیش کئے گئے ہیں۔ تین طریق پر جواب دیا گیا ہے۔
اول یہ کہ مرزا صاحب کی جن عبارات سے یہ دکھلایا گیا ہے کہ ان سے ان کے عقائد کفریہ ظاہر ہوتے ہیں۔ ان عبارات کے مابقی اور مابعد کی عبارات کو مد نظر نہیں رکھا گیا۔ اور نہ ہی سیاق و سباق عبارات کو زیر غور لایا گیا ہے۔ اگر ان امور کو مد نظر رکھتے ہوئے ان عبارات پر غور کیا جائے۔ تو ان سے وہ نتائج اخذ نہیں ہوتے جو گواہان مدعیہ نے بیان کئے ہیں۔

دوسرا یہ کہ مرزا صاحب نے خود دیگر مقامات پر ان عبارات کی تشریح کر دی ہے۔ اس لئے ان عبارات سے وہی مفہوم لیا جائے گا۔ جو انہوں نے خود بیان کیا۔ اور کہ دیگر مقامات پر ایسی عبارات بھی موجود ہیں کہ جن کو مد نظر رکھتے ہوئے نہیں کہا جاسکتا۔ کہ ان عبارات زیر اعتراض سے مرزا صاحب کا وہی مدعا تھا۔ جو گواہان مدعیہ نے افسد کیا۔

تیسرا یہ کہ مرزا صاحب کے اقوال زیر بحث میں سے بعض اقوال ایسے ہیں جو دیگر بزرگان دین سے بھی سرزد ہوتے۔ لیکن فریق مدعیہ کے نزدیک وہ بزرگان مسلمان تھے اس لئے ان اقوال کی بناء پر مرزا صاحب کے خلاف کیوں کہ فتوے تکفیر لکایا جاسکتا ہے۔ یہ تمام امور تشریح طلب ہیں۔ اور اپنے اپنے موقع پر ان کی تفصیل بیان کی جائے گی۔ اور وہاں ان کا پورا جواب بھی دیا جائے گا۔ یہاں ان کے متعلق مختصراً یہ درج کیا جاتا ہے۔ کہ عبارات زیر بحث میں سے بعض ایسی ہیں۔ کہ جو اپنے اندر ایک مستقل مفہوم لئے ہوتے ہیں۔ اور ان میں کوئی ایسا ایہام نہیں ہے۔ کہ جو کسی تشریح یا توجیہ کا محتاج ہو۔ اس لئے ایسی عبارات کے نہ ماسبق اور مابعد دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اور نہ سیاق سابق معلوم کرنیکی۔ لہذا ان فقرات کی اپنی ترتیب سے ہی جو مفہوم اخذ ہوگا وہی مراد لیا جائے گا۔

امردوم کے متعلق اول تو مرزا صاحب کے کتابوں کے مطالعہ سے یہ پایا جاتا ہے کہ ان کے بہت سے اقوال میں تعارض ہے۔ اور اس تعارض کو کسی صاف تشریح یا وضاحت سے رفع نہیں کیا گیا۔ دوسرا جیسا کہ اوپر درج کیا گیا ہے۔ بعض عبارات فی نفسہ ایسے مستقل جملے ہیں کہ جو اپنے مفہوم کی خود وضاحت کر رہے ہیں۔ اس لئے تا وقتیکہ یہ نہ دکھلایا جاوے۔ کہ یہ کلمات واپس لئے گئے۔ دیگر کلمات نہ ان کے قائم مقام تصور ہو سکتے ہیں۔ اور نہ ان کی تشریح بن سکتے ہیں۔ اس لئے یہ کہنا غلط ہے۔ کہ ان اقوال کو ان اقوال کے تحت سمجھا جاوے جو مرزا صاحب نے دوسری جگہ بیان کئے ہیں۔ کیونکہ وہ اقوال اقوال

زیر بحث کو مسترد نہیں کرتے۔ بلکہ جیسا کہ مدعیہ کے گواہ سید انور شاہ صاحب نے بیان کیا ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے۔ کہ یہ دو شخص مرزا نے عمدتاً اختیار کی تاکہ نتیجہ گڑ بڑ ہے۔ اور ان کو بوقت ضرورت مخلص اور مفر باقی ہے۔

امر سوم کے متعلق اول تو ان بزرگان کے اقوال بعینہ ان الفاظ میں نہیں جو مرزا صاحب نے بیان کئے ہیں۔ دوسرا مقدمہ ہذا میں ان بزرگان کے مسلمان یا نہ مسلمان ہونے کا سوال زیر بحث نہیں ہے۔ اور نہ ہی ان کے دیگر حالات پیش نظر ہیں۔ اس لئے مرزا صاحب کے مقابلہ میں ان کے الفاظ پیش کرنا ایک سعی لا حاصل ہے علاوہ ازیں سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے یہ بیان کیا ہے کہ صوفیا کے ہاں ایک باب ہے۔ جس کو شیطیات کہتے ہیں۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ ان پر حالات گزرتے ہیں ان حالات میں کوئی کلمات ان کے منہ سے نکل جاتے ہیں۔ جو ظاہری قواعد پر چپاں نہیں ہوتے۔ اور بسا اوقات غلط راستہ لینے کا سبب ہو جاتے ہیں۔ صوفیاء کی تصریح ہے۔ کہ ان پر کوئی عمل پرانہ ہو۔ اور تصریح کرتے ہیں۔ کہ جس پر یہ احوال نہ گذرے ہوں۔ وہ ہماری کتاب کا مطالعہ نہ کرے۔ مجھلا ہم بھی یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی شخص جو کسی حال کا مالک ہوتا ہے۔ دوسرا خالی آدمی ضرور اس سے اٹھ جائیگا۔ لیکن دین میں کسی زیادتی کی کے صوفیا میں سے بھی کوئی قائل نہیں۔ اور ایسے مدعی کو کافر بالائتفاق کہتے ہیں۔

سندیق ثانی کی طرف سے مرزا صاحب کی کتابوں سے ان کے چند عقائد بیان کئے جا کر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ قرآن مجید اور احادیث و فقہ کی رو سے جن باتوں کو ایک شخص کے مومن اور مسلمان ہونے کیلئے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ وہ سب مرزا صاحب میں اور انکی جماعت میں پائی جاتی ہیں۔ اور وہ ان سب پر خلوص دل اور مصمم قلب سے یقین اور اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور جن اعمال صالحہ کے بجالانیکا حکم دیا گیا ہے۔ وہ سب بجالاتے ہیں۔ اور ان کا دین وہی ہے۔ جو آنحضرت صلعم خدا کی طرف سے لائے۔ اور وہ ایمان رکھتے ہیں۔ کہ دین اسلام کے

سوال اگر کوئی شخص کوئی اور دین اختیار کرے۔ تو وہ عند اللہ ہرگز مقبول نہیں گوان
مدعیہ نے انہیں کافر۔ مرتد۔ ضال اور خارج از اسلام قرار دیا ہے۔ اور ضروریات
دین کا منکر ٹھہرایا ہے۔ لیکن جن امور کی بناء پر انہوں نے کافر اور مرتد
کہا ہے ان کا ضروریات دین سے ہونا قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے
ثابت نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے اپنے فتوے تکفیر کی بناء بعض علماء کے اقوال
پر رکھی ہے۔ اور اس ضمن میں ان علماء کے طرز افتاء پر اعتراض کرتے ہوئے
چند کتب فقہ کے حوالوں سے یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ اگر ان امور کو جو ان حوالہ جات
میں درج ہیں۔ مدنظر رکھا جاوے۔ تو اس سے بڑے بڑے بزرگ اور تمام
شیعہ اور وہ نئے تعلیم یافتہ نوجوان جو یہ کہتے سُننے جاتے ہیں۔ کہ اگر حنت میں ان
موجودہ مولویوں نے بھی جانا ہے۔ تو ہمیں ایسی جنت نہیں چاہئے۔ اور وہ
تمام مسلمان جو سرکاری دفتر میں ملازم ہیں اور اپنے ہندو یا عیسائی افسران کو
تحائف دیتے ہیں کافر ہیں۔ اور ان عورتوں کیلئے جو اپنے خاوندوں کی بدسلوکی سے
تنگ ہیں اور ان کے عقد نکاح سے نکلنا چاہتی ہیں۔ یہ اچھی ترکیب بتلائی گئی
ہے۔ کہ اگر ان میں سے کوئی عورت یہ کہ دے کہ میں کافر ہوئی ہوں تو معاً وہ کافر
ہو جائے گی۔ اور اس کا نکاح نسخ ہو جائے گا۔ اور وہ تمام مسلمان جو گاندھی
ٹوپی یا ہیٹ لگاتے ہیں۔ کافر ہیں۔ اور اس طرح وہ مسلمان بھی جو ہندو اور
انگریز افسروں کو سلام کرتے ہیں۔ اور اس طرح سکول اور کالجوں کے وہ مسلمان طلباء
جو اپنے ہندو یا عیسائی استادوں کو تعظیماً سلام کرتے ہیں۔ اور اس طرح ہزار
وہ تعلیم یافتہ اشخاص جو مولویوں کی دنیا نوسی باتوں پر جنہیں یہ لوگ علم اور دین خیال
کرتے ہیں۔ ہنستے ہیں۔ کافر ہیں۔ اور اس طرح وہ مسلمان جو کسی غیر مسلم کو اس کے
سوال کرنے پر کہ مجھ پر اسلام کی صداقت بیان کر کسی مولوی کے پاس برائے
جواب لے جلتے ہیں کافر ہیں وغیرہ وغیرہ۔

پس اگر ان علماء اور مولویوں کے کہنے پر کسی کو کافر بنایا جا سکتا ہے تو مذکورہ بالا

امور کے تحت تمام ایسے مسلمان جو اُپر بیان کئے گئے ہیں۔ کافر ہیں۔ اور ان کا نکاح فسخ ہونا چاہیے۔ لیکن اصول مذکورہ بالا پر علماء کا موجودہ زمانہ میں عمل نہیں ہے۔ اور ان امور کو جو ان حوالہ جات میں درج ہیں۔ ضروریاتِ دین میں سے سمجھا گیا ہے۔ اور ان کے منکر کو کافر اور مرتد کہا گیا ہے۔ اس کے بعد یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ گواہوں مدعیہ نے اپنے بیانات کی تائید میں چند مفسرین کے اقوال نقل کئے ہیں۔ لیکن یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ کہ مفسرین کے اقوال کو بلا سوچے سمجھے من و عن تسلیم کر لیا جاوے۔ اور جو کچھ وہ اپنے خیال و عقیدہ کے مطابق لکھ گئے۔ اُسے حرفِ برف مان لیا جاوے۔ اس لئے ہمیں حسبِ تعلیم قرآن مجید ضروری ہوا۔ کہ ہم خود بھی قرآن مجید کی آیات میں غور و تدبر کریں۔ اور تحقیق کے بعد جو اقرب الی الصواب ہو۔ اس کو اختیار کریں۔ پس مفسرین کے اقوال پر عقائد کی بنیاد رکھنا صحیح نہیں ہے۔ علماء اور ائمہ کی اندھی تقلید نہایت مذموم ہے۔ پس یہ ضروری نہیں۔ کہ پہلے علماء جو کچھ تفسیروں میں لکھ گئے ہم آنکھ بند کر کے ان پر ایمان لے آویں۔ بلکہ ہمارا فرض ہے۔ کہ ہم ان فتوؤں اور اقوال کو کتاب اللہ سنت رسول اللہ صلعم اور عقل سلیم کی کسوٹی پر پرکھیں۔ اور جو قرآن اور سنت سے صحیح ثابت ہو اُسے اختیار کریں۔ اور مخالف کو چھوڑ دیں۔ اور اُمت کے اُن علماء کے متعلق ہمارا مذہب یہ ہے۔ کہ انہوں نے اپنی نیک نیتی سے جو باتیں موافق اور مخالف پائیں۔ یا جو وہ سمجھ سکے وہ ہم تک پہنچا دیں جس کیلئے وہ تمام ہمارے شکر یہ کے مستحق ہیں۔

اس کے آگے پھر جو بات تکفیر کا جواب شروع ہو جاتا ہے۔ اس لئے تحت میں اس بحث کا جواب درج کیا جاتا ہے۔

مرزا صاحب کے عقائد کے متعلق سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے نہایت عمدہ جواب دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ مرزا صاحب چونکہ مادرِ زاد کافر تھے۔ اور ابتداءً ان کی تمام اسلامی عقائد پر نشوونما ہوئی۔ اس لئے انہی کے وہ پابند تھے۔ اور وہی کہے پھر بدلیجاً ان سے الگ ہونا شروع ہوا۔ یہاں تک کہ آخری اقوال میں بہت سی ضروریاتِ دین کے قطعاً مخالف ہو گئے۔

دوسرا یہ کہ انہوں نے باطل اور جھوٹ و دعویٰ کو رواج دینے کیلئے یہ تدبیر اختیار کی کہ اسلامی عقائد کے الفاظ وہی قائم رکھے جو قرآن اور حدیث میں مذکور ہیں۔ اور عام و خاص مسلمانوں کی زبانوں پر جاری ہیں۔ لیکن ان کے حقائق کو ایسا بدل دیا جس سے بالکل ان عقائد کا انکار ہو گیا۔ اس لئے مرزا صاحب کی کتابوں سے ایسے اقوال پیش کرنا جن سے ظاہر تو یہ ہے کہ وہ بعض عقائد میں اہلسنت والجماعت کیساتھ شریک ہیں ان کے اقوال و افعال کفریہ کافرانہ نہیں بن سکتے۔ جب تک اس کی تصریح نہ ہو کہ ان عقائد کی مراد یہی وہی ہے جو جمہور امت نے سمجھی۔ اور پھر اس کی تصریح نہ ہو کہ جو عقائد کفریہ انہوں نے اختیار کئے تھے۔ ان سے توبہ کر چکے ہیں۔ اور جب تک توبہ کی تصریح نہ ہو۔ چند عقائد اسلام کے الفاظ کتابوں میں لکھ کر کفر سے نہیں بچ سکتے۔ کیونکہ زندگی اس کو کہا جاتا ہے۔ کہ جو عقائد اسلام ظاہر کرے۔ اور قرآن و حدیث کے اطلاق کا دعویٰ کرے لیکن اس کی ایسی تاویل اور تحریف کر دے جن سے اس کے حقائق بدل جائیں۔ اس لئے جب تک اس کی تصریح نہ دکھلائی جاوے کہ مرزا صاحب ختم نبوت اور انقطاع وحی کے ان معنی کے لحاظ سے قائل ہیں جس معنی سے کہ صحابہ تابعین۔ اور تمام امت محمدیہ قائل ہے۔ اس وقت تک ان کی کسی ایسی عبارت کا مقابلہ میں پیش کرنا مفید نہیں ہو سکتا جس میں خاتم النبیین کے الفاظ کا اقرار کیا۔ اس میں طرح نزول مسیح وغیرہ عقائد کے الفاظ کا کسی جگہ استرا کر لینا یا لکھ دینا بغیر تصریح مذکور کے ہرگز مفید نہیں ہے خواہ وہ عبارت تصنیف میں مقدم ہوا ہو۔

یہ بات ثابت ہو چکی کہ مرزا صاحب اپنی اخیر عمر تک دعویٰ نبوت پر قائم رہے اور اپنے کفریہ عقائد سے کوئی توبہ نہیں کی۔ علاوہ ازیں اگر یہ ثابت بھی نہ ہو۔ تو کلمات کفریہ اور عقائد کفریہ کہنے اور لکھنے کے بعد اس وقت تک ان کو مسلمان نہیں کہہ سکتے جب تک ان کی طرف سے ان عقائد سے توبہ کرنے کا اعلان نہ پایا جاوے۔ اور یہ اعلان ان کی کسی کتاب یا تحریر سے ثابت نہیں پایا گیا۔

عدالت ہذا کی رائے میں مرزا صاحب کے عقائد کی بابت یہ جواب بہت جامع اور

مدلل ہے اور گوکہ مختار مدعیہ نے اپنی بحث میں ان کے عقیدہ پر تفصیلی بحث بھی کی ہے۔ لیکن اس کی موجودگی میں ان عقائد پر مزید کسی بحث کی ضرورت نہیں رہتی۔ مختار مدعیہ نے بحث کی ہے کہ مرزا صاحب کا خود کلمہ طیبہ پر بھی پورا ایمان نہ تھا۔ کیونکہ اس کلمہ پر اس صورت میں ہی مکمل ایمان تصور ہو سکتا ہے۔ جبکہ خداوند تعالیٰ کی صفات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات پر پورا ایمان ہو۔ مرزا صاحب کے بعض اقوال سے یہ پایا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے اندر الوہیت کو موجزن پایا۔ اور اپنے آپ میں خدا کی طاقتیں اور صفات موجود دیکھیں اور اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات اور مدارج میں شریک بتلاتے ہیں۔ اور انہیں خاتم النبیین یعنی آخری نبی تسلیم نہیں کرتے۔ اس لئے نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کلمہ طیبہ پر نہیں لوازیم کے تحت ایمان رکھتے ہیں۔ جیسا کہ دیگر مسلمان۔ اس لئے بھی انہیں مسلمان تصور نہیں کیا جاسکتا۔

لیکن عدالت ہذا کی رائے میں ایسی تفصیلی بحث میں جانے کی ضرورت نہیں کیونکہ مرزا صاحب کی تکفیر کا سوال مقدمہ ہذا میں اصل سوال ماہ النزاع نہیں بلکہ ایک ضمنی سوال ہے۔ اصل سوال مدعا علیہ کے ارتداد اور تکفیر کا ہے۔ اس لئے مرزا صاحب کے اعتقادات کے متعلق صرف اس حد تک بحث کی ضرورت ہے جس حد تک مدعا علیہ کے خلاف امور مذکورہ بالا کے تصفیہ کے لئے روشنی پڑ سکتی ہے۔

علاوہ ازیں اگر اس بحث کو بغرض محال صحیح بھی تسلیم کر لیا جادے۔ تو پھر یہ دکھلانا پڑے گا کہ مدعا علیہ کا کلمہ طیبہ پر بھی ویسا ہی ایمان ہے۔ جیسا کہ مرزا صاحب کا۔ اور اس کا حل مشکلات سے خالی نہیں ہوگا۔ کیونکہ مدعا علیہ کی نیت کا اندازہ پورے طور پر نہیں لگا جاسکتا۔

مدعا علیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے۔ کہ جن امور کی بناء پر مرزا صاحب اور ان کی جماعت کو ضروریات دین کا منکر قرار دیا جا کر کافر اور مرتد کہا گیا ہے۔ ان کا ضروریات دین سے ہونا تشریح یا حادث صحیح سے ثابت نہیں کیا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مدعا علیہ کی طرف سے یا تو مدعیہ کی

پیش کردہ شہادت اور بحث کو بغور ذہن نشین نہیں دکھا گیا۔ یا دیدہ دانستہ
مغالطہ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ گواہان مدعیہ نے بہت مکر اور شد و مد
کے ساتھ اور خود مرزا صاحب کے اپنے حوالوں سے یہ دکھلایا ہے۔ کہ رسول اللہ
صلعم کے خاتم النبیین ہونے کا عقیدہ بایں معنی کہ آپ کے بعد کوئی نیا
نبی نہیں آسکتا نص قرآن سے اور احادیث متواترہ سے اور اجماع امت سے
ضروریات دین سے ہے۔ اور اس کا انکار کفر ہے۔ اور اس کی تائید میں
انہوں نے بہت سی آیات قرآن اور احادیث پیش کی ہیں۔ کہ جن میں سے بعض کی
صحت کے متعلق جیسا کہ آگے دکھلایا جاتے گا۔ خود مدعا علیہ کو بھی انکار نہیں۔ پھر
سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ کیوں کر یہ کہا گیا ہے کہ انہوں نے قرآن یا حدیث سے اس کا
کوئی ثبوت پیش نہیں کیا۔ البتہ اگر یہ کہا جاتا کہ وہ ثبوت قوی نہیں۔ تو تو کچھ بات بھی تھی۔
لیکن یہ کہنا بالکل خلاف واقع ہے کہ ان کی طرف سے قرآن اور احادیث سے
کوئی ثبوت پیش نہیں کیا گیا۔ مدعیہ کی طرف سے بیان کردہ وجوہات تکفیر اور دلج
کی جاسکی ہیں۔ ممکن ہے کہ ان میں سے بعض کے متعلق (گو کہ ایسا نہیں ہے جیسا
کہ آگے دکھلایا جاتے گا) یہ کہا جاسکے۔ کہ وہ ضروریات دین میں سے نہیں ہیں۔
مگر مسئلہ ختم نبوت کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا۔ کہ ضروریات دین سے نہیں۔ ضروریات
دین کی اگرچہ ایک وسیع اصطلاح ہے۔ اور ممکن ہے کہ بعض علماء نے اس
کے تحت میں اپنی دانستہ کے مطابق بہت سے ایسے امور بھی داخل کر دیے
ہوں۔ کہ جو بحث طلب ہوں۔ تاہم اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کہ ختم نبوت
کا مسئلہ اسلام کے اہم اور بنیادی مسائل سے ہے۔ ضروریات دین کا مفہوم گواہان
مدعیہ نے اپنے بیانات میں ظاہر کر دیا ہے۔ جو اوپر گلد چکا ہے۔ اگر اس
اصطلاح کے لفظی معنی بھی مراد لئے جاویں۔ تو ان الفاظ کا یہ مطلب ہو سکتا
ہے۔ کہ وہ امور جو کسی دین میں داخل رہنے کیلئے ضروری ہوں۔ اور جن کے نہ ماننے
سے وہ شخص اس دین کا پیرو نہ سمجھا جاسکے۔ ضروریات دین سے ہوتے ہیں

رسول اللہ صلعم کا خاتم النبیین ماننا بائیں معنیٰ کہ آپ آخری نبی ہیں۔ مذہب اسلام میں داخل رہنے کے لیے ضروری اور لامدہی ہے۔ کیونکہ آپ کے بعد اگر کوئی اور نبی مانا جائے۔ تو مدعیہ اور اُس کے گواہان کے نزدیک نہ صرف لیکن قرآن اور احادیث متواترہ کا انکار ہوگا۔ بلکہ معمول بہ اس نئے نبی کی وحی ہو جائے گی نہ کہ قرآن اور اُس سے وہ شخص مذہب اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ اور یہ بات کہ رسول اللہ صلعم کا آخری نبی ماننا نہ صرف مسلمانوں کے نزدیک ان کے مذہب کے بنیادی مسائل میں سے ہے۔ بلکہ اس کی نظیر دیگر مذاہب میں بھی ملتی ہے مثلاً یہود اور نصاریٰ۔ جن کے مذاہب کی تفریق محض اس بنا پر ہے کہ وہ اپنے اپنے پیشواؤں کے جدا اور کسی نبی کو تسلیم نہیں کرتے۔ اس طرح مسلمانوں کا یہ عقیدہ چلا آیا ہے کہ رسول اللہ صلعم کے بعد اور کوئی نبی نہیں اب اگر کوئی مسلمان کسی اور کو نبی مانے۔ تو وہ مذہب اسلام کا پیرو نہیں سمجھا جائیگا۔ اس لیے ختم نبوت سے بڑھ کر اور کونسا مسئلہ ضروریات دین میں سے ہو سکتا ہے۔ یہ آگے دکھلایا جائے گا۔ کہ اس بارہ میں جو اسناد پیش کی گئی ہیں وہ کس فریق کی معتبر اور زیادہ وزن دار ہیں۔

یہاں میں یہ درج کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ موجودہ زمانہ میں بہت سے مسلمان نبی کی حقیقت سے بھی نا آشنا ہیں۔ اس لیے بھی ان کے دھوں میں یہ مسئلہ گھڑ نہیں کر سکتا۔ کہ مرنا صاحب کو نبی ماننے میں کیا قباحت ہوتی ہے کہ جس پر استعجاب و پکار کی جارہی ہے۔ اسی لیے ضروری ہے کہ اس کی کچھ تھوڑی سی حقیقت بیان کر دی جاوے۔

مدیہ کی طرف سے نبی کی کوئی تعریف بیان نہیں کی گئی۔ صرف یہ کہا گیا ہے کہ نبوت ایک عہد ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کے برگزیدہ بندوں کو عطا کیا جاتا رہا ہے۔ اور نبی اور رسول میں فرق بیان کیا گیا ہے کہ ہر رسول نبی ہوتا ہے۔ اور نبی کیلئے لازمی نہیں کہ وہ رسول بھی ہو۔ فریق ثانی نے بحوالہ ہر اس صفحہ ۸۹۔ بیان کیا ہے کہ رسول ایک نشان

ہے جسے اللہ تعالیٰ احکام شریعت کی تبلیغ کیلئے بھیجتا ہے۔ نجلاوت نبی کے کہ وہ عام ہے۔ کتاب لائے یا نہ لائے۔ رسول کیلئے کتاب لانا شرط ہے اس طرح رسول کی ایک تعریف یہ بھی کی گئی ہے۔ کہ رسول وہ ہوتا ہے کہ جو صاحب کتاب ہو۔ یا شریعت سابقہ کے بعض احکام کو منسوخ کرے۔

یہ تعریفیں چونکہ اس حقیقت کے اظہار کیلئے کافی نہ تھیں۔ اس لئے میں اس جستجو میں رہا کہ نبی یا رسول کی کوئی ایسی تعریف مل جائے جو تصورات قرآن کی رو سے تمام لوازم نبوت پر حاوی ہو۔ اس سلسلہ میں مجھے مولینا محمود علی صاحب پرویز رندھری کالج کی کتاب دین و آئین دیکھنے کا موقع ملا۔ انہوں نے معترضین کے خیالات کو مد نظر رکھتے ہوئے نبوت کی حقیقت یہ بیان کی۔ کہ جس شخص کے دل میں کوئی نیک تجویز بغیر ظاہری وساکل اور غور کے پیدا ہوں۔ ایسا شخص پیغمبر کہلاتا ہے۔ اور اس کے خیالات کو وحی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن یہ تعریف بھی مجھے دلچسپ معلوم نہ ہوئی۔ آخر کار ایک رسالہ میں ایک مضمون بعنوان میکائیلی اسلام از جناب چودھری غلام احمد صاحب پرویز میری نظر سے گزرا۔ اس میں انہوں نے مذہب اسلام کے متعلق آجکل کے روشن ضمیر طبقہ کے خیالات کی ترجمانی کی ہے۔ اور پھر خود ہی اس کے خالق بیان کئے ہیں۔ اس سلسلہ میں نبوت کی جو حقیقت انہوں نے بیان کی ہے۔ میری رائے میں اس سے بہتر اور کوئی بیان نہیں کی جاسکتی۔ اور میرے خیال میں فریقین میں سے کسی کو اس پر انکار بھی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے میں ان کے الفاظ میں ہی اس حقیقت کو بیان کرتا ہوں وہ لکھتے ہیں کہ آجکل کے معقولیت پسندوں کی جماعت کے نزدیک رسول کا تصور یہ ہے کہ وہ ایک سیاسی لیڈر اور ایک مصلح قوم ہوتا ہے۔ اپنی قوم کی نجات اور زبوں حالی سے متاثر ہو کر انہیں فلاح و بہبود کی طرف بلاتا ہے۔ اور حقوڑے ہی دنوں میں ان کے اندر انضباط و ایشاد کی روح پھونک کر زمین کے بہترین سطوں کا ان کو مالک بنا دیتا ہے۔ اس کی حقیقت قوم کے ایک امید کے قسم کی بات ہے۔ جن کے

نہر حکم کا اتباع اس لئے لازمی ہوتا ہے کہ انحراف سے قوم کی اجتماعی قوت میں انتشار پیدا ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اور وہ دنیاوی نعمتیں جو اس کے حسن تدبیر سے حاصل ہوئی تھیں۔ ان کے چھین جانے کا احتمال ہوتا ہے۔

اس کا حسن تدبیر عقل و حکمت ذہنی انسان کے ارتقاع کی بہترین کڑی ہوتا ہے۔ اس لئے وہ اپنے ماحول کا بہترین مفکر شمار کیا جاتا ہے۔ کثرتِ ریاضت سے بُرائی کی قوتیں اس سے سلب ہو جاتی ہیں۔ اور نیکی کی قوتیں نمایاں طور پر اُبھرتی ہیں۔ انہیں قوتوں کا نام ان کے نزدیک ابلیس اور ملائکہ ہے۔ اس کا جواب پھر انہوں نے بحوالہ آیات قرآنی یہ دیا ہے۔

کہ رسول بلاشبہ مُصلِح اور مدبر ملت ہوتا ہے۔ لیکن اس کی حقیقت دنیاوی مصالحین اور مدبرین سے بالکل جلاگاہ ہوتی ہے۔ دنیاوی مفکرین و مدبرین اپنے ماحول کی پیداوار ہوتے ہیں۔ اور ان کا فلسفہ، اصلاح و بہبود ان کی اپنی پرواز فکر کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جو کبھی صحیح اور کبھی غلط ہوتا ہے۔ برعکس اس کے انبیاء کرامؑ نے مامور من اللہ ہوتے ہیں۔ اور ان کا سلسلہ اس دنیا میں خاص مشابہت باری تعالیٰ کے ماتحت چلتا ہے۔ وہ نہ اپنے ماحول سے متاثر اور نہ احوال و ظہور کی پیداوار ہوتے ہیں۔ بلکہ ان کا انتخاب مملکت ایزوی سے ہوتا ہے۔ اور ان کا سرچشمہ علوم و ہدایت علم باری تعالیٰ سے ہوتا ہے۔ جس میں کسی ہو و خطا کی گنجائش نہیں۔ ان کا سینہ علم لدنی سے معمور اور ان کا قلب تجلیات نور اذلی سے منور ہوتا ہے۔

دنیاوی سیاست و فکر صفت ہے۔ جو اکتساباً حاصل ہوتی ہے۔ اور مشق و ہدایت سے یہ ملکہ بڑھتا ہے۔ لیکن نبوت ایک موهبت ربانی اور عطائے یزدانی ہے جس میں کسب و مشق کو کچھ دخل نہیں۔ قوم و امت کی ترقی ان کے بھی پیش نظر ہوتی ہے لیکن سب سے مقدم اخلاق انسانی کی اصلاح مقصود ہوتی ہے۔ اس کا پیغام زمان و مکان کی قیود سے بالا ہوتا ہے۔ اور وہ تمام انسانوں کو راستہ دکھانا والا اور ان کا مطلع ہوتا ہے

اس کی اطاعت میں خدا کی اطاعت اور اُس کی معصیت خدا کی معصیت ہے۔ اور جو لاشعریات اس کی وساطت سے دنیا کو ملتے ہیں۔ اُس میں کوئی دنیاوی طاقت رد و بدل نہیں کر سکتی۔ بلکہ دنیا بھر کی عقول میں جہاں کہیں اختلاف ہو۔ اس کا فیصلہ بھی اسکی مشعل ہدایت سے ہو سکتا ہے۔ ان کو حُدُوثی پیغام ملائکہ کی وساطت سے ملتے ہیں۔ جو اگرچہ عالم امر سے متعلق ہونے کی وجہ سے حُسن اور اک انسانی سے بالاتر ہیں۔ لیکن ان کا وجود محض انسان کی ملکوتی قوتیں نہیں ہیں۔

اس حقیقت کو ذہن نشین رکھنے کے بعد یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم کے بعد کسی دوسرے نبی کو تسلیم کر لینے کیا قباحت لازم آئیگی۔ تصریحات قرآنی کی رو سے نیابنی مطاع ہو جائیگا۔ اس سے اختلاف نہیں کیا جاسکے گا۔ اُس کی ہر بات کے آگے تسلیم ظم کرنا پڑے گا۔ وہ جو حکم دیگا۔ اُس کی تعمیل لازمی ہوگی ورنہ اعمال کے خبط ہونے کا اندیشہ ہوگا۔ اُس کی شان میں ذرا بھر گستاخی نہیں کی جاسکے گی۔ بلکہ اُس کے سامنے اونچا بولنا بھی گناہ ہوگا۔ اس کی اطاعت عین خدا کی اطاعت ہوگی۔ اور اس سے روگردانی ایمان سے خارج ہو نیکاباوث اور موجب عذاب الہی ہوگی۔ اس لئے مدعیہ کی طرف سے بحوالہ آیات قرآنی و احادیث یہ کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلعم کے بعد اور کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کوئی مسلمان کسی اور شخص کو نبی مانے تو دائرہ اسلام میں داخل نہیں رہ سکتا۔ مدعا علیہ کی طرف سے کتب فقہ سے جن عبارات کا حوالہ دیا جا کر علماء کے طرز افتاء پر اعتراض کیا گیا ہے۔ ان کے متعلق ایک تو خود مدعا علیہ کے اپنے گواہان کا بیان ہے۔ کہ فی زمانہ ان پر علماء کا عمل نہیں۔ دوسرا مدعیہ کی طرف سے ان مجالہ جات کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ کلمات کفر ہیں۔ نہ کہ فتاویٰ تکیفیر کلمہ کفر اور چیز ہے اور فتوے کفر اور چیز کسی شخص پر ان کلمات کی بناء پر محض ان الفاظ کے استعمال سے ہی فتوے نہیں لگا دیا جائے گا۔ بلکہ فتوے ان اصولوں کے تحت لگایا جائیگا جو اس غرض کے لئے مجوز ہیں۔

غذالت ہذا کی رائے میں مدعیہ کا جواب وزن رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں علماء کے اقوال سند کے لحاظ سے وہ حیثیت نہیں رکھتے جو متواترات کی بیان کی گئی ہے۔ کلمات زیر بحث کو ریکارڈ پر لانے اور اپنے خیال کے مطابق ان کی تشریح کرنے سے گواہان مدعیہ کا منشاء سوائے اس کے اور کوئی معلوم نہیں ہوتا کہ مسئلہ زیر بحث کی نوعیت اور اہمیت کو خفیف کر کے دکھلایا جاوے۔ حالانکہ مسئلہ ختم نبوت کا ان مسائل سے کوئی تعلق نہیں۔ جن پر اعتراض کیا گیا ہے۔

اور غالباً وہ یہ چاہتے ہیں کہ عام لوگوں کے دلوں میں علماء کے متعلق ایک حقارت پیدا کی جا کر ان کے طرزِ افتاد کی مذمت ظاہر کی جاوے۔ اور سرفرقتہ اور سہ طبقہ کے لوگوں کے جذبات ان کے خلاف اُجھارے جاویں۔ اور موجودہ زمانہ کے روشن خیال طبقہ کی جو اپنے آپ کو سہ صلاح کا علمبردار سمجھتا ہے۔ ہمدردی حاصل کی جاوے۔ مذہب کے متعلق فی زمانہ جو بے اعتنائی برتی جا رہی ہے۔ وہ محتاجِ بیان نہیں۔ قرآن مجید کے نزول کے زمانہ میں جو لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ وہ اسے اضمحاثِ اعلام اور اساطیر الاولین کہا کرتے تھے۔ موجودہ زمانہ میں جو لوگ کہ مذہب کا جو اپنی گردن سے نہیں نکال پھینکنا چاہتے۔ وہ گواہان الفاظ کو اپنے منہ سے نکلنے کی توجہ رادت نہیں کرتے۔ لیکن حقائق و معارف قرآنی پر اپنے دل میں پورا یقین نہیں رکھتے۔ اور بقول مولینا محمود علی صاحب یہ کہتے ہوئے سنے جاتے ہیں۔ کہ اسلام میں زمانہ کے ساتھ چلنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ اور انقلابِ حالات سے جو جدید ضرورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اور جن کی وجہ سے اقوامِ عالم کو اپنی طرزِ روش میں تیز و تہل بدل کرنا پڑتا ہے۔ اسلام ایسے انقلابوں کے اندر اپنی روش کو بدل کر دوسری روش پر چلنے کی قابلیت نہیں رکھتا۔ اور اس کے ماننے والے اپنے حالات کے اندر کوئی اصلاح یا ترمیم نہیں کر سکتے۔ اور کسی تہذیبِ جدید کا ساتھ نہیں دے سکتے۔

ان کے اس اعتراض کا جواب تو مولینا صاحب موصوف نے اپنی کتاب دین و ایمان میں دے دیا ہے۔ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ یہاں صرف یہ دکھانا مقصود

تھا۔ کہ اس قسم کے خیالات اُجکل عام ہیں اور چونکہ فریق مدعا علیہ کے بیان کردہ اصولوں کے مطابق اس طبقہ کے خیالات کی رُو سے اسلام میں اصلاح کرنے کی کافی وسعت ہے۔ اس لئے مدعا علیہ کی طرف سے علماء کے خلاف بذطنی پیدا کی جا کر اس طبقہ کے دل میں ان کے خلاف حقارت اور نفرت پیدا کرنی سعی کی گئی ہے۔ اور یہ کوشش کی گئی ہے کہ اس مقدمہ میں مدعیہ کی طرف سے جو علماء پیش ہوئے ہیں انہیں دقیانوس خیالات کا پیرو اور مرض تکفیر میں مبتلا دکھلایا جا کر انکی بیان کردہ وجوہات تکفیر کو تسخر میں اڑا دیا جاوے۔ اور یہ دکھلایا جاوے کہ اُن کی بیان کردہ وجوہات تکفیر کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ اور انہوں نے محض اس وجہ سے کہ جماعت احمدیہ کے اصول چونکہ صلاحیت مذہبی کی طرف رجوع دلاتے ہیں۔ اپنی پرانی عادت سے مجبور ہو کر براہ بغض اور کینہ انہیں کافر کہا ہے۔ ورنہ دراصل ان کا کوئی عقیدہ یا عمل کفر کی حد تک نہیں پہنچتا۔ حالانکہ مسئلہ زیر بحث ایسا نہیں کہ اُسے اس طرح مذاق میں اڑا دیا جاوے میں یہ نہیں کہتا کہ علماء غلطی نہیں کرتے۔ یا یہ کہ وہ انسانی کمزوریوں سے پاک ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اُن کی کسی رائے کو وقعت کی نگاہ سے نہ دیکھا جاوے۔ اور ان کی کسی بات پر کان نہ دھرا جاوے۔ بلکہ چاہئے کہ ان کے اقوال پر ٹھنڈے دل سے غور کیا وے۔ اور یہ دیکھا جاوے۔ کہ کہاں تک راستی پر ہیں۔ مسئلہ ختم نبوت کے بارہ میں انہوں نے جو کچھ کیا ہے۔ وہ صداقت سے خالی نہیں۔

مدعا علیہ کی طرف سے کتب تفاسیر کے حوالوں پر جو اعتراض کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق صرف یہ لکھ دینا کافی ہے کہ ان حوالوں کو نہ یہاں درج کیا گیا ہے اور نہ ہی اس فیصلہ کا انحصار ان حوالوں پر رکھا گیا ہے اور سند کے اعتبار سے صرف قرآن مجید اور احادیث کو ہی معیار تصفیہ قرار دیا گیا ہے۔ اور یہی اس لئے اختیار کرنا پڑا ہے کہ فرقہ کی طرف سے اپنے اپنے ادعا کی تائید میں بے شمار کتابیں جن کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے پیش کی گئیں ہیں۔ مدعا علیہ نے مدعیہ کی پیش کردہ کتب میں سے کسی کو بھی اپنے اُد پر حجت تسلیم نہیں کیا۔ سوائے مرزا صاحب اور اُن کے خلفاء

کی کتابوں کے اور اُسے اپنے اعتقاد کے مطابق ایسا ہی کرنا چاہیے تھا۔ کیونکہ جب وہ
 مرزا صاحب کو نبی مانتا ہے۔ تو اُس کے لئے معمول بہ مرزا صاحب کی وحی کے سوا اور
 کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ اس کے لیے اُس کا دوسری کتابوں کو بطور حجت تسلیم نہ کرنا
 کوئی تعجب کی بات نہیں۔ باقی قرآن اور احادیث کے متعلق اُس نے یہ رویہ اختیار کئے
 رکھا ہے کہ آیاتِ قرآنی کا جو مفہوم مدعیہ کی طرف سے بیان کیا گیا ہے۔ اُس کے متعلق
 اُس نے یا تو یہ بیان کیا ہے کہ وہ درست نہیں ہے۔ یا اس کی کوئی اور تاویل کر دی
 ہے۔ اور احادیث کے بارہ میں بھی جو حدیث اُس کے مفید مطلب تھی وہ تو لے لی
 اور جو اُس کے خلاف تھی اُس کی صحت کے متعلق یا تو اُس نے انکار کر دیا ہے۔ یا اُس
 کی بھی کوئی تاویل کر دی۔ اور اُس کا یہ عمل بھی مرزا صاحب کی تعلیم کے خلاف نہیں۔ کیونکہ
 مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ جو حدیث مسیحا کی وحی کے معارض ہے وہ دیکھی کی ٹوکری
 میں پھینکنے کے قابل ہے۔ اس کے علاوہ مدعا علیہ نے جن دیگر مصنفین کی کتابوں کے
 حوالے پیش کئے ہیں۔ ان کے متعلق بھی اس کا یہ دوا ہے۔ کہ وہ چونکہ مدعیہ کے ہم مذہب
 اشخاص کی تصنیف شدہ ہیں اس لیے اُس نے انہیں مدعیہ کے خلاف بھی بطور حجت
 پیش کیا ہے۔ اس کیلئے وہ کوئی حجت نہیں۔ اس لیے ان حوالوں پر بحث کرنی نہ صرف
 غیر ضروری خیال کی گئی ہے۔ بلکہ اُسے مشکلات سے بھی خالی نہیں پایا گیا۔ کیونکہ فریقین
 نے ایک دوسرے کے خلاف خیانت کے بھی الزام لگائے ہیں۔ اور یہ بھی اعتراض
 کئے ہیں کہ بعض مصنفین کی کتابیں انہیں مسلم نہیں ہیں۔ اس لیے یہ طے کرنے
 کے لیے کہ کہاں تک خیانت ہوئی۔ اور کس کس مصنف کی کتاب سنی فریقین کے
 عقائد کے مطابق ہے۔ اور آیا وہ فریقین کے مسلمات میں سے بھی ہیں۔ یا نہ
 اور کہ اُن سے جو نتائج اخذ کئے گئے ہیں وہ درست ہیں یا نہ۔ اور کہ فریقین کو
 ان کی رائے کا پابند قرار دیا جا سکتا ہے۔ یا نہ بہت وقت وسیع مطالعہ اور
 کافی محنت کی ضرورت ہے۔ اور پھر اس سے نتیجہ کے بھی پورے طور
 واضح اور عام فہم ہونے کی توقع نہیں۔ اس لیے ایک طرف قرآن مجید اور

احادیث پر اور دوسری طرف مرزا صاحب اور ان کے خلفاء کی کتابوں پر پھر رکھا جا کر دیگر تمام حوالہ جات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

مدعا علیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ گواہان مدعیہ کا یہ کہنا کہ ادعا وحی کفر ہے اور اگر کوئی شخص مطلق وحی کا دعویٰ کرے، خواہ نبوت کا مدعی نہ بھی ہو۔ تب بھی وہ کافر ہے اور کہ بنی آدم میں وحی پیغمبروں کے ساتھ مختص ہے۔ اور غیر کیلئے کشف الہام یا وحی معنوی ہو سکتی ہے۔ درست نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کی آیت وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يَخْلُقَ فِي السَّمٰوٰتِ مَا يَشَاءُ لَخَ فِي السَّمٰوٰتِ مَا لَا يَشَاءُ کہ وہ صرف پیغمبروں کیساتھ ہی ان تین طرق مندرجہ آیت مذکورہ سے کلام کرتا ہے۔ اور غیر پیغمبروں سے نہیں کرتا۔ بلکہ اس آیت میں بشر کا لفظ رکھا ہے جس میں بنی عمر بنی دونوں داخل ہیں۔

سُورَةُ قَصَصٍ رُكُوْعٌ ۙ آيَةٌ ۙ وَ اَوْحَيْنَا اِلٰى اِمْرَاةٍ مَّوْصٰی

..... الخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر وحی صرف پیغمبروں کیساتھ مخصوص ہوتی۔ تو اُمّ موسیٰ پر خدا کی طرف سے یہ وحی نازل نہ ہوتی۔

اس طرح سورہ مریم کی آیت فَارْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا

اور آیت وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ

قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ

..... مَقَّيٰٓمُ بَيْنٍ اور سورہ کہف رُكُوْعٌ ۙ آيَةٌ ۙ قُلْنَا يَا ذُو الْقُرْۢانِ

..... حَسَنًا کے حوالہ جات پیش کئے جا کر یہ دکھلایا گیا ہے کہ

۱۔ وحی انبیاء سے مخصوص نہیں۔ بلکہ غیر انبیاء پر بھی وحی ہو سکتی ہے۔ بلکہ ہوتی ہے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔

۲۔ جن طریقوں سے اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام سے کلام کرتا ہے۔ انہی طریقوں سے انبیاء یعنی اولیاء و غیرہ کے ساتھ بھی ہم کلام ہوتا ہے۔ جیسا کہ آیت

..... سے ظاہر ہوتا ہے۔

۳۔ فرشتوں کا نزول انبیاء علیہم السلام سے خاص نہیں۔ بعض اوقات غیر انبیاء

پر بھی ایسی وحی نازل ہو جاتی ہے۔ جس میں امر وہی ہوتے ہیں۔ اور کہ غیر انبیاء کی وحی بھی غیب کی خبروں پر مشتمل ہوتی ہے۔

اس کے آگے مدعا علیہ کے گواہ کا یہ بیان ہے۔ کہ مدعیہ کے گواہان نے جو یہ کہا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کے بعد کسی پر وحی نہیں ہو سکتی۔ جو اس کا دعوے کرے۔ وہ کافر۔ اس کی انہوں نے قرآن مجید یا احادیث سے کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ ہاں صرف ایک گواہ نے بحوالہ آیت وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ مِنْ قَبْلِكَ پیش کر کے کہا ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد بھی کوئی وحی نازل ہوئی ہوتی۔ تو اس آیت میں صرف اس کا ذکر کر دیا جانا۔ چونکہ ذکر نہیں کیا گیا۔ اس لئے معلوم ہوا کہ آپ کے بعد وحی نہیں ہو سکتی اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس آیت میں تشریحی وحی کا ذکر ہے۔ اور چونکہ آنحضرت صلعم کے بعد ایسی وحی جواب کی شریعت کی ناسخ ہو۔ منقطع تھی۔ اس لئے اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اس کی تائید میں پندرہ علماء کے اقوال نقل کئے جا کر یہ کہا گیا ہے۔ کہ علماء کہتے ہیں۔ کہ ہمارے پاس کوئی ایسی خبر نہیں آئی۔ جس سے معلوم ہو کہ آنحضرت صلعم کے بعد وحی تشریحی ہوگی۔ بلکہ وحی الہام ہوگی۔ دوسرا جواب یہ ہے۔ کہ اگر علماء رکھ چکے ہیں۔ کہ مسیح موعود پر وحی ہوگی اور حدیث میں آنحضرت صلعم فرماتے ہیں۔ کہ مسیح موعود پر خدا کی طرف سے وحی ہوگی تمہارا جواب یہ ہے کہ جو قرآن مجید پر ایمان رکھتا ہے۔ اور یہ تسلیم کرتا ہے۔ کہ مسیح موعود آئیگا۔ تو ان پر وحی ہوگی۔ تو اسے خدا کی طرف سے یقین کرے گا۔ پس اس لحاظ سے یہ آیت تشریحی وحی کے انقطاع پر دلالت کرتی ہے۔ غیر تشریحی وحی کے انقطاع پر دلالت نہیں کرتی۔ اس امر کی دلیل میں کہ آنحضرت صلی اللہ وسلم کے بعد غیر شریعت والی وحی ہو سکتی ہے۔ اور آنحضرت کے کامل متبعین پر اس کا دروازہ بند نہیں ہے آیات ذیل الْكُفْرَانِ سَبِيلًا ، پارہ ۹۔ رکوع ۱۳ اور اَفْلَا يُؤْمِنُونَ قَوْلًا پارہ ۱۶۔ رکوع ۱۳ کے حوالے دیا جا کر یہ کہا گیا ہے کہ ان آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بندوں سے خدا کا کلام کرنا ضروری ہے پس کیونکر مان لیا جائے کہ حرم کعبہ کا رب اور قرآن کے اتانے والا خدا جو بچھڑے کی عبودیت اور الوہیت

کا ابطال اُس کے عدم حکم کی وجہ سے کہتے ہیں خود اپنے پیارے بندوں سے ویسا
 سلوک کرے نیز آیت وَمِنْ أَضْلٍ مَّسْتَجٍ غَافِلُونَ سوس ۵
 اَحْقَافٌ رُكُوعٌ سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ خداوند تعالیٰ اپنے بندوں کی پکار
 سنتا اور انکو جواب دیتا ہے۔ اور آیت قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ
 الخ آل عمران رکوع ۱۱ سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ خدا اپنے بندوں سے
 پیار کرتا ہے۔ اور یہ بدیہی بات ہے کہ محب اپنے محبوب سے ہمکلام ہو۔ اور اُس
 کی باتیں سُنے اور اپنی کہے۔ ورنہ عدم کلام نقص محبت پر دلیل ہوگا۔ کیونکہ محبوب کا کلام
 نہ کرنا دلیل ناراضگی ہے۔ اور خدا جو اپنے بندوں پر ماں باپ سے بڑھکر مہربان ہے
 ضرور اپنے پیارے بندوں سے کلام کرتا ہے۔ اور کوئی وجہ نہیں کہ جب وہ
 اپنے پیاروں سے کلام کرتا تھا۔ تو اب نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت جو اس
 کی خدائی پر ایک اعلیٰ دلیل ہے۔ وہ اس کا متکلم ہونا ہے۔ پس یہ کس طرح ہو سکتا
 ہے۔ کہ اب قیامت تک اس صفت کا تعطل مان لیا جاوے اور کہا جاوے
 کہ اس کی صفت تکلم زائل ہو چکی۔ یعنی کہ وہ اب کسی سے کلام نہ کرے گا۔
 تو اس کا سماع ہونا کیونکر معلوم ہوگا کہنے والے بھپ رہی کہہ دیں گے کہ وہ پہلے سماع
 تھا۔ اور اب نہیں۔ اس کی تائید میں چہرہ ایک دنیاوی مثال دیکھی ہے۔
 اگر کوئی عاشق اپنے کسی محبوب کے دروازہ پر آہ دہکا اور گریہ زاری کرتے ہوئے
 بیقراری کی حالت میں بنائے۔ مگر محبوب نہ دروازہ کھولے۔ اور نہ اندر سے
 کوئی آواز آوے تو قہقشاوہ عاشق ناامید ہو کر لوٹے گا۔ اور خیال کرے گا۔ کہ یا تو
 میرا محبوب مر چکا۔ یا مجھے دھوکا دیا گیا۔ پس اس طرح اللہ تعالیٰ جس کا دیدار
 بوجہ اُس کے در اور الورا اور لطیفہ ہونے کے ہم نہیں کر سکتے۔ اگر وہ گفتار سے
 بھی اپنے عشاق کو تسلی نہیں دے سکتا۔ تو آخر وہ ایک دن ناامید ہو کر اُسے
 چھوڑ دیں گے۔ تعشق اور محبت کا مادہ انسان کی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے۔ اور وہ
 ایسے محبوب کو جس کے دیدار اور گفتار سے اپنے آپ کو ہمیشہ کیلئے محروم سمجھے۔ اُسے کہیں

اپنے عشق کا غسل نہیں پھیرتا۔ حقیقی عاشق اپنے محبوب سے ہمکلام ہونے کیلئے اپنے دل میں از حد ٹپ رکھتا ہے۔ اور اُس کے کلام کو اپنے لئے تریاق اور آبیات سمجھتا ہے۔ پس وہ علمِ خیرِ مستی جو انسانوں کے اندر احساسات و جذبات کا پیدا کرنے والا ہے کس طرح اپنے عشاق کو اپنی ہمکلامی سے محروم رکھ سکتا ہے۔ اور اُس کی تائید میں آیاتِ ذیل و اذا

سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ الخ اور اِنَّ الَّذِيْنَ

قَالُوا تَنزَّلَ الْمَلَائِكَةُ هُمْ يَسْمَعُونَ الخ اور اِنَّ الَّذِيْنَ

يُكْفِرُوْنَ سَوَاءٌ لَّهُمْ اَلْعَذَابُ الَّذِيْ نَزَّلْنَا بِهٖمْ اَمْ لَمْ يُنَزَّلْ عَلَيْهِمْ الْمَلٰٓئِكَةُ اَمْ لَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰیٰتٌ الخ اور اِنَّ الَّذِيْنَ

يُكْفِرُوْنَ سَوَاءٌ لَّهُمْ اَلْعَذَابُ الَّذِيْ نَزَّلْنَا بِهٖمْ اَمْ لَمْ يُنَزَّلْ عَلَيْهِمْ الْمَلٰٓئِكَةُ اَمْ لَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰیٰتٌ الخ اور اِنَّ الَّذِيْنَ

يُكْفِرُوْنَ سَوَاءٌ لَّهُمْ اَلْعَذَابُ الَّذِيْ نَزَّلْنَا بِهٖمْ اَمْ لَمْ يُنَزَّلْ عَلَيْهِمْ الْمَلٰٓئِكَةُ اَمْ لَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰیٰتٌ الخ اور اِنَّ الَّذِيْنَ

يُكْفِرُوْنَ سَوَاءٌ لَّهُمْ اَلْعَذَابُ الَّذِيْ نَزَّلْنَا بِهٖمْ اَمْ لَمْ يُنَزَّلْ عَلَيْهِمْ الْمَلٰٓئِكَةُ اَمْ لَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰیٰتٌ الخ اور اِنَّ الَّذِيْنَ

يُكْفِرُوْنَ سَوَاءٌ لَّهُمْ اَلْعَذَابُ الَّذِيْ نَزَّلْنَا بِهٖمْ اَمْ لَمْ يُنَزَّلْ عَلَيْهِمْ الْمَلٰٓئِكَةُ اَمْ لَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰیٰتٌ الخ اور اِنَّ الَّذِيْنَ

يُكْفِرُوْنَ سَوَاءٌ لَّهُمْ اَلْعَذَابُ الَّذِيْ نَزَّلْنَا بِهٖمْ اَمْ لَمْ يُنَزَّلْ عَلَيْهِمْ الْمَلٰٓئِكَةُ اَمْ لَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰیٰتٌ الخ اور اِنَّ الَّذِيْنَ

يُكْفِرُوْنَ سَوَاءٌ لَّهُمْ اَلْعَذَابُ الَّذِيْ نَزَّلْنَا بِهٖمْ اَمْ لَمْ يُنَزَّلْ عَلَيْهِمْ الْمَلٰٓئِكَةُ اَمْ لَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰیٰتٌ الخ اور اِنَّ الَّذِيْنَ

الہی کا دروازہ بند ہے۔ اور خدا اُس سے کلام نہیں کرتا۔ تو پھر یہ خیر الامم کیسے ہوئی۔ اور یہ کہنا غلطی ہے کہ خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کے بعد جو تمام عالم کیلئے رحمت ہو کر آئے تھے۔ اس انعام کو لوگوں سے چھین لیا ہے۔ اور اُمت میں سے کسی ایک فرد کو بھی اپنے ہمکلام ہونے کے مبارک شرف سے ہمیشہ کیلئے محروم کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اُس کا پاک رسول اور اولیاء اُمت یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ فیضانِ الہی اس اُمت پہ بند نہیں ہیں۔ اور آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ تم میں سے پہلے قوم نبی اسرائیل میں ایسے لوگ ہوئے ہیں کہ باوجودیکہ وہ نبی نہ تھے لیکن اللہ تعالیٰ اُن سے کلام کرتا تھا۔ میری اُمت میں ایسے لوگوں میں اگر کوئی ہے۔ تو عسبر۔ دوسری روایت میں محدث کا لفظ آیا ہے صحابہ نے حضور سے دریافت فرمایا کہ یا رسول اللہ محدث سے کیا مراد ہے۔ حضور نے فرمایا کہ فرشتے اُس کی زبان پر کلام کرتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت شیخ ابن عربی۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اور مولینا روم کی کتابوں کے حوالوں سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ اُن کے نزدیک بھی یہ پایا جاتا ہے کہ تمام اقسامِ وحی کی قرآن میں مذکور ہیں۔ خدا کے بندوں اور اولیاء اللہ سب میں پائی جاتی ہیں اور وحی جو نبی میں ہے۔ وہ خاص ہے۔ اور شریعت والی وحی ہے۔ اور کہ جو وحی انبیاءِ علیم السلام کو ہوتی ہے۔ وہ اس اُمت کے بعض کامل افراد کو بھی ہوتی ہے۔ اور جیسا کہ مولینا روم نے کہا ہے۔ ہوتی تو وہ وحی حق ہے۔ لیکن صوفیائے عام لوگوں سے پر وہ کہ نیکی خاطر اُسے وحی دل بھی کہہ دیتے ہیں۔ اور کہ جن طرق سے انبیاء علیہم السلام کو وحی الہام ہوتا ہے انہیں طرق سے اولیاء اللہ کو ہوتا ہے۔ اگرچہ اصطلاحاً ان کا نام رکھنے میں فرق کیا گیا ہے۔ اور یہ علماء کی اپنی اصطلاح ہے۔ اور اصطلاح فرق مراتب کے لحاظ سے قرار پائی ہے کہ انبیاء کی وحی کو وحی اور اولیاء کی وحی کو الہام کہتے ہیں۔ اور کہ وہی پر بھی وحی بواسطہ ملک ہوتی ہے۔ اور مدعیہ کے اعتقاد کے مطابق علیہ کے نزول پر ان پر وحی نازل ہوگی۔ اور اس کے متعلق علماء کا قول ہے کہ وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی زبان پر ہوگی اس کے آگے یہ کہا گیا ہے کہ مرزا صاحب کی کتب سے جو یہ دکھلایا گیا ہے کہ

وہ بھی آنحضرت صلعم کے بعد سلسلہ وحی کو منقطع مانتے ہیں۔ تو وہاں ان کی مراد وحی
 شریعت سے ہے۔ نہ کہ دوسری وحی سے۔ جسے وہ جاری سمجھتے ہیں۔ ان تفریحات
 سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کے بعد ایسی وحی کہ جس میں نئے اور نواہی
 نہ ہوں جاری ہے۔ اور جن علماء نے یہ کہا ہے کہ۔ آپ کے بعد وحی اور الہام کا سلسلہ
 بند ہے۔ تو اس سے مراد ایسی وحی ہے۔ جو شریعت محمدیہ کے مخالف نئے اور نواہی
 پر مشتمل ہو۔ نہ مطلق وحی جس کا اُمت محمدیہ میں باقی رہنا قرآن مجید۔ حدیث و ہدیگان
 دین کے اقوال سے ثابت ہے اس کے آگے پھر دوسرا ہیڈنگ شروع ہو جاتا ہے
 اس کے تحت میں اس بحث کا جواب درج کیا جاتا ہے۔

مدعیہ کی طرف سے جس وحی کے متعلق یہ کہا گیا ہے۔ کہ اس کا ادعا کفر ہے
 اس سے مراد وحی نبوت سے ہی ہے۔ فریق مدعیہ کے نزدیک وحی کا لفظ صرف
 انبیاء کیلئے ہی مختص ہے۔ اور وہ اس امر کے قائل نہیں کہ جو وحی نبی کو ہوتی ہے
 وہ غیر انبیاء کو بھی ہو سکتی ہے۔ اس لئے اب مدعا علیہ کے تحت سے ہی ربط کرنا
 ہے۔ کہ آیا اس قسم کی وحی جو انبیاء کو ہوتی ہے۔ غیر انبیاء کو بھی ہو سکتی ہے
 یا نہ۔ اس کے متعلق جن آیات قرآنی کا حوالہ مدعا علیہ کی طرف سے پیش کیا گیا ہے
 ان کے ظاہری الفاظ سے یہ پایا جاتا ہے کہ حضرت ام موسیٰ پر وحی ہوئی
 حضرت مریم پر فرشتے اترے اور ذوالقرنین سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا۔ لیکن
 اگر یہ نتیجہ محض ان الفاظ اَوْ هَكَيْنَا قَالَتْ الْمَلَائِكَةُ اَوْ رَقُلْنَا کے استعمال
 سے اخذ کیا جاتا ہے تو یہ درست نہیں کیونکہ وحی کا لفظ قرآن مجید میں نہ صرف ذوی
 العقول کی بابت استعمال فرمایا گیا ہے بلکہ غیر ذوی العقول کی بابت بھی
 جیسا کہ سورہ نحل میں ہے کہ شہد کی مکھی کو وحی کی گئی۔ یہاں میرے خیال
 میں مدعا علیہ کے نزدیک بھی وحی سے مراد وہ وحی نہیں ہو سکتی جو انبیاء
 کو ہوتی ہے۔ یہاں یقیناً اس کے کوئی اور معنی بمثل فطرت میں داخل
 کرنا یا اسے سو جھاناکے جائیں گے۔ اس طرح قرآن مجید میں وحی کا لفظ اور

بھی کئی مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ جس کے سیاق سباق سے یہ نتیجہ اخذ نہیں ہوتا۔ کہ وہاں اس لفظ سے مراد اس قسم کی وحی ہے جو انبیاء کو ہوتی ہے اور غالباً اس شبہ کو زائل کرنے کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق قرآن مجید میں تبصریح یہ فرمایا گیا کہ ہم نے تیری طرف اس قسم کی وحی بھیجی ہے۔ جیسا کہ حضرت نوح، ابراہیم، اسمٰعیل، اسمٰعیل، یعقوب اور ان کی اولاد کی طرف بھیجی گئی۔ سورہ نسا پارہ ۶ رکوع ۱۱ آیت اَنَا اَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا اَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ... ذِكْرًا... اس لئے ان مواقع پر جہاں کہ لفظ وحی کے استعمال سے وحی نبوت کے معنی اخذ نہیں ہو سکتے۔ اس لفظ سے مراد جیسا کہ علماء نے لیا ہے القاء کرنا یا دل میں ڈالنا ہی لی جائے گی۔ اسی طرح قرآن مجید میں ایک اور جگہ ہے وَإِنَّ الشَّيْطَانَ لِيَوْحُونَ إِلَيْكَ أَوَّلِيًّا هُوَ ذِكْرًا يَأْتِيَنَّكَ مِنَ الْغَيْبِ تَلَوَاتٍ لَّا يَخْتَارُ عَلَيْكَ لِيُفْشِرَ فِيكُمُ الْيَأْسَ وَيَلْغِي فِي سَبِيلِكُمْ أَلْحَادًا بِحُجَّتِهِ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ فَسَبِّحْهُ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَائِمًا وَقَاظِمًا وَسَائِرًا وَلِذِكْرِهِمْ يُؤْمِنُونَ فَاذْكُرُوا الْفَوَاحِشَ الَّتِي عَلَيْكُمْ وَكُنْزُوا لَهُمْ أَسْمَاءَ حَسَنًا وَوَكُنُوا لَهُمْ خَلَائِفًا بِالْمَعْرُوفِ الْحَقِيقِ الَّذِي يَخْتَارُ عَلَيْهِ لِيُكَفِّرَ بِسَيِّئَاتِكُمْ وَأَكْفِلُكُمْ قُلُوبًا خَالِدَةً فِي الْآيَاتِ الَّتِي أَنزَلْنَا لِقَوْمِكُمُ الَّذِي نَدَعَا إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ فَذَكِّرْ لَعَلَّهُمْ يَحْتَفِلُونَ

قرآن مجید میں اس قسم کے اور بھی کئی الفاظ ہیں کہ جن کے ظاہری معنی مراد نہیں لئے گئے۔ مثلاً فتنہ کا لفظ جس کے معنی عام طور پر آزمائش کے لئے لئے ہیں اس طرح اس کی سند بیان نہیں کی گئی۔ کہ فرشتے ہر حال میں ذات باری کی طرف سے ہی بحیثیت رسول اُترتے اور کلام کرتے رہے ممکن ہے کہ نیک آدمیوں پر ان کا اترنا عام انتظام کائنات کے سلسلہ میں ہو یا روحانی ترقی کے مدارج میں داخل ہو۔ اس لئے حضرت مریم پر فرشتوں کے اُترنے سے یہ نتیجہ لازمی طور پر برآمد نہیں ہوتا۔ کہ اللہ تعالیٰ غیر انبیاء سے اس طریق پر کلام کرتا ہے۔ جیسا کہ انبیاء کے ساتھ۔ باقی رہی۔ وہ آیت جو فدا القربین کے متعلق ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض کے نزدیک وہ نبی تھے۔ اگر نبی تھے تو انہیں وحی نبوت ہوتی ہوگی۔ اور اگر نبی نہ تھے تو ان کے متعلق محض لفظ فتنہ کا استعمال عمومی کے طور پر یہ نتیجہ اخذ کرنے کے لئے کافی نہیں۔ کہ غیر انبیاء کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ ہم کلام ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں اگر یہ مان بھی لیا جاوے کہ حضرت اقرموسلی اور حضرت مریم کو ایسی ہی وحی ہوئی

جیسا کہ انبیاء کو ہوتی ہے۔ تو اس سے لازمی طور پر یہ نتیجہ نہیں نکلا کہ ایسی وحی ہر غیر انبیاء کو ہو سکتی ہے۔ کیونکہ یہ بیاباں پیغمبروں کی مابین تھیں۔ اور ان ہر دو پیغمبروں کے متعلق یہ خطہ تھا کہ انہیں پیدا ہونے کے بعد ہلاک نہ کروا جاوے۔ اس لئے ان کی ماؤں کو تسکین دینے کے لئے اگر اللہ تعالیٰ نے اپنی ہمکلامی سے مشرف فرما دیا ہو تو کوئی عیب نہیں اس کے ساتھ ہی پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ یہ واقعات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لغت سے قبل کے ہیں۔ ممکن ہے کہ خاص حالات کے تحت خاص خاص اشخاص کے ساتھ ہمکلام ہونا منشیات ایزدی سے ضروری سمجھا گیا ہو۔ اور اس کی تائید خود مدعا علیہ کی اپنی بحث سے ہوتی ہے جیسا کہ وہ کہتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ نبی اسرائیل میں ایسے لوگ ہوئے ہیں کہ باوجودیکہ وہ نبی نہ تھے اللہ تعالیٰ ان سے کلام کرتا تھا۔ چنانچہ ذوالقرنین بھی اسی ذیل میں داخل سمجھے جاسکتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میرے بعد نبوت میں سے سولے مہشترات کے اور کچھ باقی نہیں تو پھر کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ غیر انبیاء کو بھی وہی وحی ہوتی ہے۔ جو انبیاء کو ہوتی ہے۔ اس حدیث کو فریق مدعا علیہ نے صحیح تسلیم کیا ہے۔ لیکن اس کی یہ تاویل کی ہے کہ یہ عام اشخاص کے متعلق ہے۔ خواص کیلئے نہیں۔ اگر خواص اس سے مستثنیٰ تھے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ رسول اللہ صلعم اس کی تعزیر نہ فرمادیتے۔ یہ حدیث حضرت عائشہ سے بھی روایت کی گئی ہے۔

باقی رہے صوفیائے کرام کے اقوال اور تحریریں۔ ان کے متعلق ایک جواب تو اوپر سید نور شاہ صاحب کے بیان کے حوالہ سے دیا جا چکا ہے کہ انہوں نے ان اشخاص کو جو ان کی اصطلاحات سے واقف نہ ہوں۔ اپنی کتابوں میں نظر کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور اس کا دوسرا جواب بھی شاہ صاحب مذکورہ کے الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ صوفیائے کرام نے توحہ کو بعضے لغوی لیکر مقیم بنا یا۔ اور اس کی تفسیر خدا سے اطلاع پانا۔ دوسرے کو اطلاع دینا کی۔ اور اس کے نیچے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام

دو فوں کو داخل کیا اور نبوت کو دو قسم کر دیا۔ نبوت شرعی اور نبوت غیر شرعی نبوت شرعی کے نیچے وحی اور رسل دونو درج کر دیئے اور اب ان کیلئے نبوت غیر شرعی اولیاء کے کشف اور الہام کیلئے نکھر گیا اور مخصوص ہو گیا۔ صوفیائے کرام کی تصریح ہے کہ کشف کے ذریعہ مستحب کا درجہ بھی ثابت نہیں ہوتا۔ صرف اسرارِ معارف۔ مکاشفہ اُس کا دائرہ ہیں اور تصریح فرماتے ہیں کہ ہمارا کشف دوسرے پر حجت نہیں۔ ہمارا کشف ہمارے لئے ہے گواہ مذکور نے کشف الہام اور وحی کی یہ تعریف بیان کی ہے کہ کشف اُسے کہتے ہیں کہ کوئی پیرایہ آنکھوں سے دکھلایا جس کی مراد کشف والا خود نکالے۔ دل میں کچھ مضمون ڈال دیا اور سمجھا دیا جاوے۔ یہ الہام ہے۔

خدا نے پیغام بھیجا۔ اپنے ضابطہ کا وہ وحی ہے۔ وحی قطعی ہے۔ اور کشف والہام لفظی ہیں۔ بنی نوع آدم میں وحی پیغمبروں کیساتھ مخصوص ہے۔ غیروں کیلئے کشف یا الہام ہے۔ یا معنوی وحی ہو سکتی ہے۔ شرعی نہیں۔

وحی کے شرعی یا غیر شرعی ہونے کی جو تفریق مدعا علیہ کی طرف سے گئی ہے۔ اُس کی تائید میں اس نے سوائے اقوال بزرگان کے اور کوئی سند پیش نہیں کی۔ اور ان اقوال کی گو مدعیہ کی طرف سے توجیہ اور تشریح لگائی ہے۔ اور یہ دکھلایا گیا ہے کہ ان بزرگان کی ان اقوال سے کیا مراد ہے۔ اور ان کے دیگر صریح اقوال پیش کئے گئے ہیں۔ کہ جن میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین یعنی آخری نبی تسلیم کرتے ہیں۔ اور آپ کے بعد کسی اور نبی کا آنا ممکن نہیں سمجھتے۔ لیکن ان پر اسلئے بحث کی ضرورت نہیں کہ وہ قرآن مجید اور احادیث کے مقابلہ میں کوئی حجت نہیں ہو سکتے اور مدعا علیہ کی طرف سے جو اعتراض مدعیہ پر عامد کیا گیا تھا۔ کہ اس نے جو بات تکفیر کے ضروریات دین ہونے کے متعلق قرآن یا حدیث سے کوئی ثبوت پیش نہیں کیا۔ وہ بدرجہ اولیٰ خود مدعا علیہ پر وارد ہوا ہے کہ اُس نے شرعی اور غیر شرعی وحی کی جو تقسیم کی ہے۔ اس کے متعلق کوئی ثبوت قرآن و احادیث سے پیش نہیں کیا۔ محض قیاسات سے ہی یہ کہا گیا کہ جس کی تائید کا حوالہ مدعیہ کی طرف سے دیا گیا ہے کہ اس میں تندرہ وحی کا ذکر نہیں وہ تشریحیت والی وحی کے انقطاع پر دلالت

کرتی ہے۔

مدعیہ کی طرف سے درست طور پر کہا گیا ہے کہ صوفیائے کرام نے نبوت کی ہوتیوں
بیان کی ہیں وہ ان کی اپنی قائم کردہ اصطلاحات کے مطابق ہیں۔ اس لئے ان کی قائم کردہ
اصطلاحات کو عام اُمت کے مقابلہ میں حجت قرار دینا درست نہیں ہے۔ یہ صحیح و عود پر مبنی
کا ہونا مستثنیات سے ہے جس کی استثناء خود حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام نے کر دی۔ اس سے وحی نبوت کے اجراء کا عمومیت کی بات قطعیہ نکالنا
ایک غلطی ہے۔

آیت وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ

..... الخ میں بشر کے لفظ
کے متعلق مدعیہ کی طرف سے کہا گیا ہے کہ مراد انبیاء علیہم السلام سے ہے
لیکن اگر عام بشر بھی مراد لئے جاویں تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلا کہ خدا بالعموم
آدمیوں سے کلام کرتا رہتا ہے بلکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کیساتھ بکلام
ہونے کے طریق بتلائے ہیں۔ باقی کلام کا کرنا بیان کرنا اس کی اپنی مشیت پر منحصر ہے
لہذا گویا مدعیہ نے یہ درست کہا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد وحی نبوت
جاری ہوتی تو قرآن مجید میں ضرور اس کی صراحت فرمادیں جاتی۔ کیونکہ اس پر امت کی نلاح
کا دار و مدار تھا۔ باقی مولینا دوم کی کتاب مشنوی کے حوالے سے جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ
وہ لکھتے ہیں کہ اولیاء کو جو وحی ہوتی ہے وہ دراصل وحی حق ہوتی ہے۔ اور اولیاء
عام لوگوں سے پردہ لکھنے کی خاطر اسے وحی دل کہہ دیا کرتے ہیں۔ یہ ان کے شاعرانہ خیالات
اور شاعر کی نیت میں جیسا کہ سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے کہا ہے۔ منوانا اس کا عالم
کو منظور نہیں ہوتا۔ اور پھر جہاں انہوں نے وحی حق کے الفاظ لکھے ہیں۔ ان کے ساتھ ہی واللہ
اعلم بالصواب کا جملہ بھی موجود ہے۔ اس سے ان کے مفہوم کا خود اندازہ لگایا
جا سکتا ہے۔ پارہ ۹۔ رکوع ۵۔ اور پارہ ۱۶۔ رکوع ۳۱ کی آیات محولہ بالا سے بھی
یہ استدلال درست نہیں کیا گیا۔ کہ آنحضرت صلعم کے بعد غیر شریعت والی وحی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ
اول تو آیات اس زمانہ اور ان حالات سے تعلق رکھتی ہیں جو نزول قرآن کی وقت موجود تھے۔ اور

انہیں ان لوگوں کو خطاب ہے جو عبادت الہی سے نا آشنا اور غافل ہوں۔
 اور اب رسول اللہ صلعم کی تعلیم کے بعد کسی ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان کا بھی یہ عقیدہ
 نہیں ہو سکتا کہ خداوند تعالیٰ اُسمع بصیر اور علیم نہیں۔ باقی رہا اس کا آدمیوں سے
 کلام کرنا وہ اس کی مشیت پر منحصر ہے۔ اُسے کسی کی آہ و بکا۔ فریاد و فغاں سے
 کلام کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ دنیاوی عاشق و معشوق کی مثال عشق الہی پر نہایت
 ہی نازیبا طریق پر عائد کی گئی۔ تاہم اس مثال کو بھی اگر مد نظر رکھا جاوے۔ تو رسول اللہ
 صلعم کی تعلیم ایسی ناقص نہیں۔ کہ عاشقان الہی اگر فی الحقیقت وہ پورے معنوں میں
 عاشقان الہی بن چکے ہیں۔ خداوند تعالیٰ کے دروازہ سے نا امید ہو کر لوٹیں یا
 نعوذ باللہ یہ تصور کریں کہ ان کا محبوب مر چکا یا انہیں دھوکا دیا گیا۔ دنیاوی معشوق
 بھی اگر اپنے عاشق کی آہ و بکا سن کر اندر سے اُسے کوئی تحفہ بھیج دے۔ یا اس
 کی بات کو سن کر اُس کا کوئی کام سرانجام دے۔ تو باوجود اُس کے کہ وہ اس سے
 ہم کلام نہ ہو یا اپنا دیدار نہ کرائے۔ اس کا عاشق ضرور سمجھ لے گا۔ کہ اس کا معشوق زندہ
 ہے۔ اور اُس سے محبت کرتا ہے۔ دنیا میں عاشقان الہی کی تعداد حضور علیہ الصلوٰۃ
 والسلام کے بعد اتنا کم کوئی تھوڑی نہیں سمجھی جاسکتی۔ اور ویسے تو ایسے عشاق نہ
 صرف مذہب اسلام میں بلکہ ہر مذہب میں سینکڑوں کی تعداد میں پائے
 جاتے ہیں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے ہم کلام ہونے کا ذریعہ اس کے عشاق
 کے دل کی تڑپ ہی قرار دیا جاوے تو ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عہد
 میں ہر ایک عاشق سے نہ سہی۔ سوویں ہزاروں سے سہی۔ دس پندرہ بیس
 سال کے بعد نہ سہی۔ سو ہزار سال کے بعد سہی۔ کسی نہ کسی ایک سے تو ہم کلامی
 فریاد ہی ہوتی۔ نہ یہ کہ تیرہ سو سال تک یکدم خاموشی اختیار کئے رکھنے کے بعد
 صرف ایک شخص سے ہم کلام ہونا منظور فرمایا گیا۔ اور وہ بھی زیادہ تو پرانی نذر
 سو سال والی زبان میں گویا اب اُس کے پاس الفاظ اور معانی کا ذخیرہ ختم ہو چکا
 ہے۔ اگر نعوذ باللہ خدا کے پاس ہم کلامی کیلئے نہ کوئی اور نیا مواد ہے اور نہ

الفاظ۔ تو پھر بچارے مولویوں کا کیا قصور ہے۔ کہ انہیں پرانی لکیر کا فقیر قرار دیا جا کر کوسا جاتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے خدا کے اس پرانے کلام کی تعبیر وہی کہتی ہے جو پہلے سے ہوتی آئی ہے۔

اگر عشاق کی تسلی محض گفت گو سے ہوتی۔ اور وجود بارہ تعالیٰ کے علم کا ذریعہ بھی ہی ہوتا کہ جب کبھی اس کا کوئی عاشق بیقرار سی کی حالت میں آہ و بکا کرتا ہوا اس کے دروازہ پر پہنچے۔ تو اس کیلئے فوراً دروازہ کھل جائے۔ تو اسلام صغیر ہستی سے کبھی کا نابود ہو چکا ہوتا۔ کیونکہ تیرہ سو سال کا زمانہ ایسا نہیں کہ عشاق لغو ذبا اللہ خداوند تعالیٰ کی اس بے اعتنائی کو دیکھ کر اس کے دروازہ پر پڑے رہتے۔ بلکہ بقول گواہ مدعا علیہ عرصہ سے ناامید ہو کر لوٹ چکے ہوتے۔ اور پھر اس کی کیا گارنٹی ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ان عشاق سے ہی گفتگو کرتا ہے۔ کہ جو مذہب اسلام سے تعلق رکھتے ہوں۔ اور دوسرے سے نہیں کرتا۔ علاوہ ازیں عشاق کی تسلی محض گفتگو سے نہیں کرتی۔ بلکہ جیسا کہ مدعا علیہ کے گواہ نے بھی ظاہر کیا ہے۔ دیدار یاران کا مطمع نظر ہوتا ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ عشاق جب گفتگوئے یار سے بہرہ اندوز ہوں۔ تو پھر کبھی اپنے عشق کی مستی میں قوم موسیٰ کی طرح اس نا اللہ صجھہ کے رٹ لگانی شروع کر دیں۔ اور بجائے اس کے کہ دیدار یار سے لذت اندوز ہوں۔ اپنا بیڑہ بھی غرق کر بیٹھیں شک نہیں کہ حقیقی عشاق کے دلوں میں ضرور اپنے محبوب کے متعلق ایک تڑپ ہوتی ہے۔ اس تڑپ کے فرو کرنے کا علاج یہ نہیں۔ کہ محبوب سے ضرور ہٹکلامی ہو۔

بِأَمْرِ حَىٰ عَزَّ اسْمُهُ نے اپنے عشاق کی تڑپ فرو کرنے کا علاج خود ہی اپنے زندہ کلام قرآن پاک میں یہ فرمایا ہے۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ یعنی خدا کی یاد سے دل مطمئن ہوتے ہیں۔ اور زیادہ اضطراب پیدا ہونے کی صورت میں فرمایا۔ اِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَاِنِّي قَرِيبٌ..... الخ

گواہ مدعا علیہ نے اس آیت کو بقاوحی پر دلیل پکڑا ہے۔ لیکن وحی سے مراد اگر اس قسم کی مستجابت لیجاوے جو اس آیت میں مذکور ہے۔ تو پھر خداوند تعالیٰ کا ہر فرد بشر کے ساتھ کلام کرنا ممکن ہو سکتا ہے۔ اور ہر شخص محل وحی بھی بن سکتا ہے۔ اس قسم کے استدلال اختیار کرنے سے مذہب کی کوئی عظمت و وقعت ظاہر نہیں ہو سکتی اور نہ اس کی کوئی حقیقت منکشف کی جاسکتی ہے۔ گواہ مدعا علیہ نے بیان کیا ہے کہ خدا کا کلام نہ کرنا غضب اور ناراضگی کی علامت ہے۔ تو کیا اس سے سمجھا جائے گا کہ جن لوگوں سے پہلے خداوند تعالیٰ نے کلام نہیں کیا ان سب پر خداوند تعالیٰ ناراض رہا ہے اور وہ موردِ عتاب الہی ہیں۔ استغفر اللہ۔

بقاوحی کے سلسلہ میں باقی ماندہ جن دو آیات سورہ مومن اور پارہ ۱۴۔ رکوع ۷ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ ان سے بھی وحی کا جاری رہنا ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ آیات مدعا علیہ کی اپنی تفہیم کے مطابق وحی تشریحی ہی سے تعلق رکھتی ہیں۔ کیوں کہ ان میں یہ مذکور ہے کہ جس شخص کو وحی کی جاتی ہے۔ اس کو یہ حکم دیا جاتا ہے۔ کہ وہ لوگوں کو قیامت کے دن سے ڈرائے۔ اس لئے اس قسم کی وحی کو مدعا علیہ کی اپنی تعریف کے مطابق وحی تشریحی ہی سمجھا جائے گا۔ اور یہ سلسلہ مدعیہ کے ادعا کے مطابق اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلعم پر اکرم فرما دیا۔ اور مدعا علیہ کے نزدیک بھی اب تشریحی ہی نہیں آسکتا۔ اس لئے ان آیات سے وحی مطلق کے اجراء کا استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ باقی رہی مدعا علیہ کی یہ حجت کہ اللہ تعالیٰ نے جب ہمیں یہ دعائیں سکھلائی تھے کہ اے اللہ ہمیں راہ مستقیم پر چلا۔ اور ان لوگوں کی راہ پر چلا جن پر تو نے اپنے انعام کئے ہیں۔ اور پھر دوسری سورت میں اس کی تشریح فرمائی۔ کہ وہ کون لوگ ہیں۔ جن پر خدا کا انعام ہوا۔ اس کے متعلق فرمایا کہ وہ نبی۔ عہدین۔ شہید اور صالح ہیں۔ اس سے یہ تدفین کی گئی۔ کہ اللہ اور اس کے رسول محمد مصطفیٰ صلعم کی پیروی سے یہ چاروں مراتب تم کو حسب

حیثیت مل سکتے ہیں۔ لہذا یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ امت محمدیہ تین مراتب کا نوالعام پائے اور چوتھے مرتبہ یعنی نبوت کا حصول اس کیلئے ناممکن ہو۔ حالانکہ اس سے پہلے امتوں نے اس انعام کو بار بار حاصل کیا۔ پھر یہ خیر الامم کس طرح ہوئی۔ اور نہیں کہا جاسکتا کہ امت مجرمہ پر وحی الہی کا دروازہ بند ہے۔ اور آنحضرت صلعم کے بعد جو تمام عالم کیلئے رحمت ہو کر آئے۔ اس انعام کو لوگوں سے چھین لیا گیا۔

اس کا جواب مدعیہ کی طرف سے یہ دیا گیا ہے۔ کہ آیت من کفح اللہ
 وَرَسُولُهُ وَالصَّالِحِينَ میں الفاظ مع الذمین
 سے مراد رفاقت سے ہے۔ نہ کہ عطائے درجہ سے۔ مدعا علیہ کے اعتراض کا

مطلب یہ ہے کہ جب نبی کے علاوہ دیگر مدارج جو اس آیت میں مذکور ہیں۔ رسول اللہ صلعم کی پیروی سے مل سکتے ہیں۔ تو کیا وجہ ہے کہ نبوت کا درجہ نہ مل سکے۔ اگر اس بحث کو تفہیم محال صحیح تسلیم کر لیا جاوے۔ تو پھر اس سے یہ لازم آئے گا کہ نبوت ایک کبھی چیز ہے۔ جو اتباع سنت اور ریاضت سے حاصل ہو سکتی ہے۔ حالانکہ قرآن شریف کی نصوص سے یہ ثابت ہے کہ نبوت کسی نہیں۔ اور مرزا صاحب

نے بھی اسے مانا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب ضمیمۃ النبوة۔ فی الاسلام صفحہ ۸ پر لکھتے ہیں۔ کہ نبوت ایک صفت اصلی قائم ہے۔ نبی کی ذات کے ساتھ نہ وہ کسب سے حاصل ہو۔ اور نہ کبھی سلب ہو۔ اگر نبوت حضور علیہ السلام کے اتباع سے حاصل ہو سکتی تھی۔ تو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ کہ آج تک جس قدر اولیاء۔ ابدال۔ اقطاب گذرے ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی یہ مرتبہ حاصل نہ ہوا۔ علاوہ ازیں اگر یہ سمجھا جاوے۔ کہ حضور کے کمال اتباع اور فیض سے یہ مرتبہ حاصل ہو سکتا ہے۔ اور حضور بھی اسے جائز سمجھتے تھے۔ تو ضرور ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جہاں کئی دیگر مراتب اور مدارج کے حصول کیلئے اپنی امت کو ادعیا اور اوراد کی تلقین فرمائی ہے۔ اور ان اس مرتبہ کے لئے بھی کوئی دُعا وغیرہ بھی تلقین فرماتے۔ تاکہ امت کے افراد کو اس کے حاصل کرنے میں کوئی آسانی

میترا آتی۔ کیونکہ حضور کی شفقت سے یہ بعید تھا کہ وہ امت کو اس قدر پریشانی اور محنت نشاۃ میں ڈالتے۔ کہ مدتِ مدید کی انتظار اور عبادات کے بعد صرف ایک ہی فرد کو جا کر یہ نعمت عطا ہوتی۔ اگر کوئی دعا وغیرہ تلقین کرنا آپ کے نزدیک مناسب نہ تھا۔ تو کم از کم اس کی صراحت تو فرما دینے کہ تم کو یہ درجہ مل سکتا ہے تمہیں اس کے حصول کے متعلق کوثر اور رہنا چاہیے۔ آپ نے نہ اس قسم کی کوئی صراحت فرمائی۔ نہ ہی اس کیلئے کوئی راستہ بتلایا۔ بلکہ یہی فرماتے ہیں کہ کاتبِ نبی بعد کی وانا احسن الانبیاء وغیرہ گویا کہ امت کو نعوذ باللہ از دستِ دھوکے میں رکھتے رہے۔ تاکہ وہ کہیں یہ درجہ حاصل کر کے آپ کے مقابلہ میں نہ کھڑے ہو جاویں۔

بلکہ آپ کا رحمۃ اللعالمین ہونا اس بات کا متقاضی تھا۔ کہ آپ سابقہ انبیاء کے مقابلہ میں اپنی امت میں سے زیادہ انبیاء پیدا کر کے اپنے افضل الانبیاء ہونے کا ایک اعلیٰ اور میں ثبوت بہم پہنچاتے۔ لہذا قرآن شریف کی دیگر تصریحات کو مدنظر رکھتے ہوئے آیتِ محولہ بالا کا مفہوم یہی لیا جائے گا۔ کہ وہ لوگ انبیاء کی رفاقت میں ہوں گے۔ اور چونکہ مدعا علیہ کو دنیاوی امثال کا بہت شوق ہے۔ اس لئے اس کی مثال یہ ہو سکتی ہے۔ کہ جیسے حکومت کسی شخص کو اس کی ذاتی وجاہت اور مرتبہ کے لحاظ سے اپنے دربار میں اپنے کسی ممتاز عہددار کیساتھ جگہ دے دے۔ تو نہیں کہا جاسکتا۔ کہ اس شخص نے اس عہدہ دار کا رتبہ حاصل کر لیا ہے یا یہ کہ وہ اس کا رتبہ حاصل کرنے کا اہل بنا دیا گیا ہے۔ سیطرۃ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ وہ لوگ جن کی آیاتِ ماسبقہ میں فضیلت بیان کی گئی ہے۔ انبیاء شہداء صدیقین اور صلحاء کے ہمراہ ہوں گے۔ اس لئے مدعا علیہ کا یہ استدلال کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ کہ اگر امت محمدیہ کو نبوت کا درجہ نہ ملے تو وہ خیر الامم نہیں رہتی اس کے خیر الامم ہونے کے لئے خدا نے اسے اور کسی مدارج عطا فرمائے ہیں۔ قرآن مجید نے اسے اس بات کا محتاج نہیں سمجھا دیا کہ وہ نبوت کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

کی غلامی پر ترجیح دے۔ بلکہ بڑے بڑے جلیل القدر انبیاء آپ کی اُمت میں داخل ہونے کے متمنی رہے ہیں۔ افسوس کہ قرآن کی تسلیم کو پوری طرح مد نظر نہیں رکھا گیا۔ ورنہ یہ اعتراض نہ کیا جاتا۔

قرآن حکیم میں حیاتِ انسانی کی پوری انتہا واضح نہیں فرمائی گئی۔ اور جیسا کہ چودھری غلام احمد صاحب پر وزیر مضمون محولہ بالا میں لکھتے ہیں جنت بھی جو بالعموم منزل مقصود سمجھی جاتی ہے۔ درحقیقت اصل منزل مقصود نہیں بلکہ راستہ کا ایک خوش نما منظر ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں جنتیوں کی اس دعا سے ظاہر ہوتا ہے۔

لِقَوْلِ رَبِّنَا اَلْمَمْلُؤَاتُ لَنَا نَوْسًا نَا اِسْمٰنْتِہٰی کُو اَیْکَ رَا زِر کھا گیا۔ نہ معلوم کہ حضور کے فیض سے اُمت کو کیا کچھ عطا فرمایا جائے گا۔ لہذا مدعا علیہ یہ ثابت کرنے میں کامیاب نہیں رہا۔ کہ جو وحی انبیاء علیہم السلام کو ہوتی ہے وہ اس وقت تک جاری ہے۔ بلکہ صرف الہام اور کشف وغیرہ باقی ہیں۔ جیسا کہ مدعیہ کا دعا ہے۔ اور ان کے لغوی طور وحی کہا جاسکتا ہے۔ اس مقدمہ کے فیصلہ کا دار و مدار زیادہ تر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین یعنی آخری نبی ماننے کے عقیدہ پر ہی ہے۔ مدعیہ کی طرف سے جیسا کہ اوپر درج کیا گیا۔ بحوالہ آیات قرآنی و احادیث و اجماع اُمت یہ دکھلایا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اور کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ بجز اس کے کہ اس کی استثنا حضور نے خود کر دی یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور کہ مرزا صاحب کے دعوے سے قبل اور اب بھی سوائے مرزا صاحب کے پیروؤں کے دیگر جملہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انبیاء کی تعداد اور بعثت کے لحاظ سے آخری نبی ہیں۔ اور آپ کے بعد اور کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی مسلمان کسی اور کو نبی مانے۔ تو وہ کافر اور مرتد ہو جاتا ہے۔

مدعا علیہ کی طرف سے کہا جاتا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال اتباع اور فیض سے نبوۃ کا مرتبہ عطا ہو سکتا ہے۔ اور وہ خاتم النبیین کے معنی عام

مسلمانوں کے اعتقاد کے خلاف یہ کرتا ہے۔ کہ اللہ جل شانہ نے آنحضرت صلعم کو صاحب
 خاتم بنایا۔ یعنی آپ کو اضافہ کمال کیلئے مہر عطا کیا۔ جو کسی اور نبی کو سرگز نہیں دیکھی۔
 اس وجہ سے آپ کا نام خاتم النبیین مقرر کیا۔ یعنی آپ کی پر وہی کمالات نبوت بخشی
 ہے۔ اور آپ کی توجہ روحانی ہی تراش ہے۔ اور قرآن مجید کی جس آیت میں یہ الفاظ
 درج ہیں۔ اِس کے معنی مدعا علیہ کی طرف سے یہ کئے گئے ہیں۔ کہ اِس آیت
 میں رسول اللہ کے بعد الفاظ خاتم النبیین اِس لئے لائے گئے کہ ہر نبی اپنی اُمت کا
 روحانی باپ ہوتا تھا۔ صرف انا کہہ دیے سے کہ آپ بحیثیت رسول اپنی امت
 کے باپ ہیں۔ آپ کی دوسرے رسولوں پر کوئی فضیلت ظاہر نہ ہوتی تھی۔ اِس لئے
 اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاتم النبیین فرمایا کہ آپ کو دوسرے رسولوں سے ممتاز
 فرمایا کہ اور نبی تو اپنی اُمت کے صرف مومنوں کے باپ تھے۔ مگر آپ ایسے
 عظیم الشان اور جلیل القدر نبی ہیں۔ کہ انبیاء کے بھی باپ ہیں۔ یعنی آپ کی
 اتباع اور توجہ روحانی کمالات نبوت بخشی ہے۔ اور اگر اس کے معنی آخر کے لیے
 جاویں۔ تو اس میں آپ کی کوئی فضیلت نہیں ہے۔

اِس تہذیب سے اِس حد تک توجہ مدعا علیہ کی یہ توجیہ درست ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ
 کو چونکہ دیگر انبیاء سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو افضل دکھانا مقصود تھا۔
 اِس لئے الفاظ خاتم النبیین استعمال فرمائے گئے۔ لیکن یہ سمجھ نہیں آتا کہ محض لفظ خاتم
 کے استعمال سے آپ کا نبی تراش ہونا کس طرح مفہوم لیا گیا ہے۔ کیونکہ اگر
 خاتم کے معنی مہر بھی کئے جاویں تو اِس کے یہ معنی کہیں سے بھی آپ انبیاء سابقہ پر
 مہر ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت نایاں ہو سکتی ہے۔ اور محض یہ توجیہ
 بھی کہ آپ انبیاء کے باپ ہیں آپ کی فضیلت ظاہر کر دینے کیلئے کافی ہے۔
 پھر معلوم نہیں ہوتا کہ آپ کے اِس تفضیلی علاوہ ابوت سے آئندہ نوالد
 انبیاء کا سلسلہ جاری ہونا کس طرح اخذ کیا گیا ہے۔ اور پھر تولد بھی صرف
 ایک نبی کا۔ اِس میں شک نہیں کہ خاتم کے معنی مہر دیگر علماء نے بھی کئے ہیں۔ اور

حال ہی میں متران مجید کا جو ترجمہ مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی کا شائع ہوا ہے۔ اس میں بھی خاتم کے معنی درج ہیں۔ اور خاتم النبیین کے معنی انہوں نے یہ لکھے ہیں کہ مہر ہیں تمام نبیوں پر اور میری رائے میں سیاق سباق عبارت سے یہی معنی درست معلوم ہوتے ہیں۔ اس پر مدعا علیہ کا یہ اعتراض ہوگا۔ کہ پھر رسول اللہ صلعم کا آخری نبی ہونا کہاں سے اخذ کیا جائیگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ایک تو رسول اللہ صلعم کا آخری نبی ہونا احادیث سے اور امت کے اجماعی عقیدہ سے اخذ کیا جائے گا۔ امت آجتک آپ کو آخری نبی سمجھتی آئی۔ اور جیسا کہ مولوی مرتضیٰ حسن صاحب گواہ مدعیہ نے بیان کیا ہے۔ آجتک حقدرا اولیاء ابدال۔ اقطاب۔ مجتہدین محدود ہوتے آئے ہیں۔ کسی نے اس عقیدہ تغلیط نہیں کی۔ دوسرے مدعا علیہ کو بھی اس سے انکار نہیں۔ کہ خاتم کے معنی آخری بھی ہیں۔ اور اس معنی پر امت کا اجماع چلا آیا ہے۔

مدعا علیہ کی طرف سے اس اجماع کی حقیقت کو توڑنے کی کوشش کی گئی لیکن وہ اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ کہ مرزا صاحب کے دعوے سے قبل جمہور امت کا عقیدہ اس طرح چلا آیا ہے۔ اس لئے ایک امر واقع کو غلط کہنا ایک بیجا حجت ہے۔

مدعا علیہ کی طرف سے لغت اور عربی زبان کے محاورات صحیح دکھلایا گیا ہے کہ لفظ خاتم جب ت کی زبر سے پڑھا جائے تو انگوٹھی یا مہر کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اور اگر زبر سے پڑھا جائے تو اس کے معنی ختم کر نیوالا۔ دوسرا مہر لگانے والا ہوتا ہے اور خاتم لفظ کمال کے معنوں میں بکثرت استعمال ہوتا ہے اور کہ خاتم کے اصل معنی آخر کے نہیں ہیں۔ اگر آخر کا معنی بھی لئے جاویں تو پھر لازم معنی کہلا میں گے۔ نہ اصل معنی۔ اور جب اصل معنی لئے جاسکتے ہیں تو

لازم معنی کیوں لئے جاویں۔ خاتم۔ اگر کہیں آخر کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے تو لازم معنی لیکر کیا جاتا ہے۔ اور جب کہ قرآن مجید میں کوئی ایسا صریح قرینہ موجود نہیں جو لازم معنی لینے پر ہی دلالت کرے۔ تو اس کے باقی سب معنی چھوڑ کر صرف آخر کے معنی میں لینا۔ کس طرح صحیح نہیں۔ لیکن مقدمہ ہذا میں سوال زیر بحث عقیدہ سے تعلق رکھتا ہے۔ الفاظ کے معنی یا مراد سے تعلق نہیں رکھتا۔ دیکھنا یہ ہے کہ عقیدہ کس معنی پر قائم ہوا۔ جب مدعا علیہ کے نزدیک خاتم کے معنی آخر کے ہو سکتے ہیں۔ اور عقیدہ بھی تیرہ سو سال تک اس پر قائم رہا ہے۔ تو اب ان الفاظ پر بحث کرنا کہ ان کے معنی آخر کے نہیں بلکہ ہر گز نہیں سوائے ایک علمی دلچسپی کے۔ اور کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ علاوہ ازیں جو علماء اس کے معنی قبل ازیں آخر کے کرتے آئے ہیں۔ ان کی نسبت نہیں کہا جاسکتا۔ کہ وہ اس کی لغت یا اصل سے واقف نہ تھے۔ اس لئے اس لفظ کے معنی پر بحث لا حاصل ہے۔ علاوہ ازیں مرزا صاحب بھی اپنے دعوے سے قبل خاتم البین کے معنی آخری کرتے ہیں۔ جیسا کہ مدعیہ کے گواہان کے بیانات میں دکھلایا جا چکا ہے۔ بعد کے معنی محض تاویلی ہیں۔ اور اپنے دعوے کو رنگ دینے کی خاطر کئے گئے ہیں اور اب مدعا علیہ کی طرف سے یہ کہنا کہ مرزا صاحب نے جہاں جہاں آنحضرت صلعم کے بعد سلسلہ وحی کو منقطع مانا ہے۔ وہاں ان کی مراد وحی شریعت سے ہے۔ نہ کہ دوسری وحی سے۔ درست نہیں ہے۔ کیونکہ جہاں انہوں نے وحی کو منقطع مانا ہے۔ وہاں انہوں نے اس کی تصریح نہیں کی۔ اور سیاق و سباق سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ہر قسم کی وحی کے انقطاع کے متعلق کہہ رہے ہیں۔ ان کے یہ اقوال اس قسم کے ہیں جن کے متعلق کہ مدعا علیہ کی بحث کے شروع میں فقہاء میں تشریح کی گئی ہے۔ کہ وہ اپنے اندر ایک مستقل مفہوم لئے ہوئے ہیں۔ اس لئے مرزا صاحب کے دیگر اقوال ان کی توضیح یا تشریح نہیں بن سکتے اس قسم کے اقوال جن سے مرزا صاحب انقطاع وحی کے قائل پاتے

جاتے ہیں۔ گواہانِ مدعیہ کے بیانات میں مفصل درج ہیں۔ جو اُد پر درج کئے جا چکے ہیں۔

مدعا علیہ کی طرف سے اس مسئلہ ختم نبوت کے متعلق پھر یہ کہا گیا ہے۔ کہ احادیث پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے آیت خاتم النبیین سے نبوت کو سبکی مسدود نہیں سمجھا۔ جیسا کہ حدیث ابو عایشہ ابراہیم مکان صدیقاً نبیاً سے ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ آیت خاتم النبیین کے نزول سے پانچ سال کے بعد حضور نے یہ فرمایا ہے۔ لیکن اول تو اس حدیث کے صحیح ہونے میں شبہ ہے۔ جس کا اظہار خود گواہ مدعا علیہ نے کر دیا ہے۔ دوسرا اس میں لو کا ایک شرطیہ لفظ موجود ہے۔ اور قواعد عربی کی رو سے مدعا علیہ کی طرف سے تسلیم کیا گیا ہے۔ کہ جہاں لو داخل ہو وہاں وقوع نہیں ہوتا۔ تیسرا اس میں نبوت کی کوئی تفصیل نہیں کہ کیسی نبوت ہوگی۔ چوتھا نبوت کا امکان حضرت ابراہیم کی زندگی پر تھا۔ جب وہ وفات پا گئے نبوت کا امکان بھی چلا گیا۔ اس سے کیس طرح بھی آئندہ نبوت جاری رہنے کا نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا۔ مدعا علیہ کی طرف سے حضرت عائشہ کا ایک قول قولوا اخاتہ النبیین ولا تقولوا لابنہ بعد کا نقل کیا جا کر یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ کہ اس قول سے ظاہر ہے کہ وہ لوگ جو الفاظ خاتم النبیین اور لابنہ بعدی سے یہ سمجھتے ہیں۔ کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ غلطی پر ہیں۔ اس ضمن میں پھر یہ کہا گیا ہے کہ دوسری شہادت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے۔ جو یہ ہے۔ کہ ایک دفعہ آپ کے صاحبزادے اُستاد کے پاس بیٹھے پڑھ رہے تھے۔ ایک دفعہ اتفاقاً حضرت علی وہاں سے گذرے۔ اور فرمایا کہ ان دونوں کو خاتم النبیین کا لفظ ت کی ذر سے پڑھاؤ۔ دوسری قراءت میں خاتم ت کی ذر سے بھی آیا ہے پس اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک ت کی ذر سے بھی خاتم کے معنی آتی تھی تو آپ نے ذر سے پڑھانے سے منع کیوں کیا۔ کیونکہ ذر سے ختم کرنے

کے معنی زیادہ واضح ہو جاتے تھے۔ کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا۔ کہ دونوں میں آپ فرق سمجھتے تھے اور زیر پڑھانے سے آپ کو اس کا خطرہ تھا کہ کہیں بچوں کے ذہن میں نبوت کے متعلق خلاف عقیدہ نہ بھیجے جائے۔

حضرت علی کے متعلق جو حدیث لابی بعدی والی بیان کی گئی ہے۔ اور جو مولوی محمد حسین صاحب گواہ مدعیہ کے حوالہ سے اُپر گزر چکی ہے۔ اُسے مدعا علیہ کی طرف سے صحیح مانا گیا ہے۔ مگر اس کی تاویل یہ کی گئی ہے کہ بعدی سے مراد یہاں موت کے بعد نہیں جیسا کہ عام طور پر سمجھا گیا ہے۔ بلکہ بعدی سے مراد جنگ تبوک کا عرصہ ہے۔ یعنی اس عرصہ میں آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ اور اس سلسلہ میں ایک اور حدیث کا حوالہ دیا جا کر یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان کا مطلب یہ ہے کہ اے علی تم اس بات پر راضی نہیں۔ کہ میرے خلیفہ ہو۔ جیسے ہارون موہب کے خلیفہ تھے۔ مگر ان تم نہیں ہو گے۔ اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ اس جملہ کے فرمانے کی ضرورت یہ تھی۔ کہ جب حضرت علی کو ہارون سے مشابہت دی گئی تو شبہ پڑ سکتا تھا کہ آپ حضرت ہارون کی طرح نبی بھی ہوں گے۔ اس لیے آنحضرت نے وضاحت فرمادی۔ کہ تم میرے بعد خلیفہ ہو گے۔ نبی نہیں ہو گے۔

یہ تمام دلائل محض تیسری ہیں۔ اور کوئی علمی حیثیت نہیں رکھتے۔ ان کا جواب بھی تیسرا ہو سکتا ہے۔ حضرت علی کے صاحبزادوں کا جو قصہ بیان کیا گیا ہے ممکن ہے کہ حضرت علی نے تکیہ کی زیر سے اس لیے پڑھانا منع کیا ہو کہ زیر سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت کا پہلو پوری طرح سے ظاہر نہیں ہوتا۔ اور زیر سے پڑھانے سے دونوں پہلو نمایاں ہو جاتے ہیں۔ اور اگر یہ سمجھا جاوے کہ اس وقت حضرت علی کے ذہن میں یہ بات تھی کہ زیر سے پڑھانے سے نبوت کے منقطع ہونے کا معاملہ پڑتا ہے۔ اور کہ ان کے نزدیک حضور کے بعد نبوت جاری رہے گی۔ تو جنگ تبوک کے موقع پر جب حضور نے انہیں ہارون علیہ السلام سے تشبیہ دیکر یہ فرمایا تھا۔ کہ لابی بعدی۔ تو وہ عرض کر سکتے تھے۔ کہ حضور جب

آپ مثل موسیٰ پھرے اور مثل ہارون علیہ السلام تو میں بھی آپ کا چچا زاد بھائی ہوں
اس لئے آپ موسیٰ علیہ السلام کی طرح کیوں میرے حق میں دعا نہیں فرمادیتے کہ خدا
مجھے بھی نبی بنا دے۔ اور باہمی مماثلت کی بناء پر کوئی عجب نہ تھا۔ کہ حضور کی دعا سے
مندا انہیں بھی نبوت کا مرتبہ عطا فرمادیتا۔

یہ محض ایسے قیاسات ہیں کہ جو ظنیات کی حد تک بھی نہیں پہنچتے۔ اور
فہم میں جیسا کہ خود مدعا علیہ کی طرف سے تسلیم کیا گیا ہے۔ قطعاً اس کا
اعتبار ہوتا ہے۔ نہ ظنیات یا قیاسات کا۔ باقی رات حضرت عائشہ کا قول اس کے
متعلق مدعیہ کی طرف سے بہن جواب دیئے گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ لا نبی بعدہ
کے کہنے سے چونکہ یہ اندیشہ تھا کہ کہیں کوئی بد عقیدہ شخص حضرت عیسیٰ کے
نزول سے انکار نہ کر دے۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ خاتم النبیین کہو۔ لا نبی بعدی
نکہو۔ دوسرا یہ کہ خاتم النبیین کے کہنے سے چونکہ دونوں مدعا حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام کا آخری اور افضل ہونا ظاہر ہوتے ہیں۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ لا نبی
بعدہ نہ کہو بلکہ خاتم النبیین کہو۔

تیسرا یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عائشہ نے یہ حدیث خود روایت کی ہے۔
کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ہوۃ ختم ہو چکی۔ سوائے اس کے
اب مبشرات ہوں گے۔ اور مبشرات کی تشریح آپ نے یہ فرمائی کہ
بھی خواہیں اس لئے مدعیہ کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے۔ کہ جب حضرت
عائشہ کو خود اس حدیث کا علم تھا۔ تو کس طرح کہا جاسکتا ہے۔ کہ انہوں نے
لا نبی بعدہ کہنے سے اس لئے منع کیا کہ وہ آپ کے بعد نبوت کو جاری
سمجھتی تھیں۔ یہ ایک بہت معقول جواب ہے۔ اس کے علاوہ جن لوگوں
کو آپ نے منع کیا ہوگا کہ وہ لا نبی بعدہ نہ کہیں۔ تو انہوں نے آخر کوئی وجہ تو
دریافت کی ہوگی۔ کیونکہ اس شبہ پڑ سکتا تھا کہ کیا آپ کے بعد نبوت جاری
ہے۔ جو وہ ایسا کرنے سے منع کرتے ہیں۔ ایسی کوئی تفصیل بیان نہیں کی جاتی

اس لئے اُن کے اس قول سے یہ کوئی دلیل نہیں پکڑی جاسکتی کہ وہ آپ کے بعد نبوت کا سلسلہ جاری سمجھتی تھیں

اس سلسلہ میں پھر مدعا علیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ یہ بھی واضح رہے کہ قرآن مجید میں الفاظ خاتم النبیین ہیں آخر النبیین نہیں۔ آخر کچھ تو بھید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے آخر النبیین نہیں کہا۔ بلکہ خاتم النبیین کہا۔ اس میں اقل تو کوئی مجید نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ آخر النبیین کا لفظ خاتم النبیین کے مقابلہ میں زیادہ فصیح معلوم نہیں ہوتا۔ اور قرآن مجید میں کوئی ایسا لفظ استعمال نہیں ہوا جو غیر فصیح ہو۔ دوسرا اللہ تعالیٰ کو چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دونوں فضیلتیں یعنی آپ کا آخر ہونا اور افضل ہونا دکھلانا مقصود تھیں اس لئے خاتم النبیین کا لفظ استعمال فرمایا گیا۔

اور اگر اللہ تعالیٰ کو اس میں کوئی مجید رکھنا منظور تھا۔ تو پھر اس مجید کا کیا حل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب قرآن مجید کو نور ہدایت اور قرآن فرمایا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ رسولوں پر ایمان لانے اور ان کی اطاعت کرنے میں تمہاری صلاح ہے۔ اور گذشتہ بہت سے انبیاء کی تفصیل بھی بیان فرمادی لیکن آئندہ آئیوں کے متعلق نہ کوئی صراحت فرمائی اور نہ یہ فرمایا کہ ان پر بھی ایمان لانا ضروری ہوگا۔ تو پھر قرآن کیوں کر نور اور ہدایت ٹھہرا۔

مدعا علیہ کے ایک گواہ کا بیان ہے کہ جس حدیث میں آخر الانبیاء کا لفظ آیا ہے۔ وہ خبر واحد ہے جو ظن کا مرتبہ رکھتی ہے۔ اور عقائد میں ظنیات کام نہیں دیتے۔ لیکن اوسس کہ یہ کہتے وقت اسے شاید اپنے طریق استدلال پر نظر نہیں رہی کہ وہ کہاں تک قطعیات کی رو سے بحث کر رہے تھے۔

اس طرح اُس نے ان احادیث کی بہت سی تاویل کی ہیں جن میں

حضور کے متعلق آخر کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔ اور عربی۔ فارسی۔ اردو شعراء اور مصنفین کے اقوال کے حوالوں سے یہ دکھلایا ہے۔ کہ لفظ آخر کا ترجمہ کمال استعمال ہوتا ہے۔ لیکن جیسا کہ اور درج کیا گیا ہے۔ یہ تمام بحث ایک فلسفی و فلسفی کے سوا اور کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ کیونکہ یہاں بحث عقائد سے ہے نہ کہ لفظ کے معنی سے۔ اور چونکہ الفاظ زیر بحث سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آخری ہونا ہی پایا جاتا ہے۔ اس لئے اس معنی پر ہی آج تک اُمت کا عقیدہ چلا آیا ہے۔ اور یہ عقیدہ جیسا کہ اوپر دکھلایا گیا ہے۔ اسلام کے اہم اور بنیادی مسائل میں سے ہے۔ اس لئے اس عقیدہ کو تبدیل کرنا کسی ادیب۔ عالم مفتی یا تاسخ کا کام نہیں۔ بلکہ یہ عقیدہ سوائے اس شخص کے جو مامور من اللہ ہو۔ اور کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔ اس پر پچھے کافی بحث ہو چکی ہے۔ کہ آیام رضا صاحب نبی اور مامور من اللہ میں یا نہ اور اخیر نتیجہ میں بھی اس پر بحث کی جائے گی۔

مدعا علیہ کی طرف سے شیخ محمد الدین ابن عربی اور دیگر بزرگان کے اقوال نقل کئے جا کر یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ ان کے نزدیک بھی نبوت مرتفع ہونے سے یہ مراد ہے۔ کہ شریعت وال نبوت مرتفع ہو گئی۔ نہ کہ مقام نبوت۔ اور کہ وہ حضور کے قول لابی عبدی کا یہ مطلب سمجھتے ہیں۔ کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں ہوگا جو آپ کی شریعت کے خلاف ہو۔ بلکہ جب بھی ہوگا۔ آپ کی شریعت کے ماتحت ہوگا۔

مدعیہ کی طرف سے ان اقوال کی توجیہیں بیان کی گئی ہیں۔ اور ان بزرگان کے دیگر اقوال سے یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آخری نبی ہونے کے قائل تھے۔ لیکن قطع نظر اس کے یہ ممکن ہے کہ یہ اقوال نکلتے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ان لوگوں کے ذہن میں ہو۔ اور اس لئے یہ کہا گیا ہو کہ آپ کے بعد جب بھی کوئی نبی ہوگا وہ آپ کی شریعت کے ماتحت ہوگا۔ اس کا فیصلہ تو ان کی کتابوں کے دیکھنے سے پوری طرح

کیا جاسکتا ہے۔ ان حوالوں کو چونکہ اس فیصلہ میں بحث سے نظر انداز کر دیا گیا ہے اس لئے ان پر زیادہ رائے زنی کی ضرورت نہیں۔ اور اگر ان تحریروں کا مطلب مدعا علیہ کے ادعا کے مطابق بھی صحیح تسلیم کر لیا جاوے۔ تو پھر دیکھنا یہ ہے کہ آیا یہ ان کی ذاتی رائے ہے یا امت کا عقیدہ۔ اگر ان تحریروں کے بعد امت نے اپنا عقیدہ تبدیل نہیں کیا۔ اور ان کا عقیدہ جو ان کا توں رہا ہے۔ اور اس میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا۔ تو پھر یہ تحریریں ان کی ذاتی اور شخصی رائے کے سوا اور کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔ اور اگر ان کے یہ اقوال ان کا کشف بھی سمجھے جاویں تو بھی جیسا کہ سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے کہا ہے۔ دین کے معاملہ میں وہ دوسروں پر کوئی حجت نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ دینی معاملات میں سولے نبی کی وحی کے اور کوئی بات قطعی نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری حدیث پر جس میں اپنے نبی اسرائیل کے نبیوں کے متعلق کہا ہے کہ جب انہیں ایک نبی فوت ہوتا تھا۔ تو فوراً اس کا خلیفہ نبی ہوتا تھا۔ مدعا علیہ کیپٹن سے کہا گیا ہے کہ یہاں حضور کی مراد بعدیت متصلہ ہے یعنی آپ کے فوراً بعد ایسا نہیں ہوگا۔ اور امت محمدیہ میں فوراً نبی کی ضرورت نہ ہوگی۔ لیکن اول تو اس حدیث کے یہ معنی تاویل ہیں۔ دوسرا نہیں کہا جاسکتا کہ تیرہ سو سال کے عرصہ میں ایسا کوئی زمانہ نہیں آیا۔ کہ جس میں نبی کی ضرورت محسوس نہ لگتی ہو۔ علاوہ ازیں مرزا صاحب کیلئے مدعا علیہ جس قسم کی نبوت ثابت کرنا چاہتا ہے۔ اس کی اس معنی سے تائید نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس کے نزدیک مرزا صاحب کو جو نبوت ملی وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کمال اتباع اور فیض سے ملی ہے اور یہ پایا جاتا ہے کہ حضور کے زمانہ میں ہی حضرت عمر حضور کے ایسے متبعین میں سے تھے کہ جنکی زبان پر فرشتے کلام کرتے تھے۔ اور ان کی بابت حضور نے یہ بھی فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوا۔ تو حضرت عمرؓ ہوتے اور یہ بھی کہا کہ اگر میں مبعوث نہ ہوتا تو حضرت عمرؓ مبعوث ہوتے۔ تو کیا حضرت عمرؓ سے بڑھکر اس وقت حضور کے اتباع کے

محافظ سے کوئی شخص نبوت کا مستحق ہو سکتا تھا۔ لیکن مدعا علیہ کی مذکورہ بالا ملاحظہ کے مطابق وہ حضور کے بعد اس لئے نبی نہ بنے کہ اس وقت نبی کی ضرورت نہ تھی۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ حضور کے اتباع سے نبوت ملنے کی سادہ مشیت میں یہ بھی مقدر ہے کہ اس قسم کی نبوت اس وقت وجود سے۔ جس وقت کہ اس کی ضرورت ہو۔ اور اس سے مدعا علیہ کے اس اصول کی نفی ہو جاتی ہے کہ حضور کے کمال اتباع اور فیض سے نبوت مل سکتی ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ضرور ہے۔ کہ حضرت عمر کو نبوت عطا ہو جاتی۔ کیونکہ وہ نہ صرف کامل متبعین میں سے تھے۔ بلکہ حضور کے خاص مورد الطاف تھے۔ اور جیسا کہ حضور کے الفاظ سے اخذ ہوتا ہے حضور یہ چاہتے تھے۔ کہ وہ نبی ہوں۔ لیکن چونکہ آپ کے بعد نبوت منقطع ہو چکی تھی۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ حضرت عمر نبی نہیں ہو سکتے۔

مدعا علیہ کی طرف سے اس حدیث کو کہ میرے بعد اگر نبی ہوتا۔ تو عمر ہونے۔ ضعیف کہا گیا ہے۔ اور پھر اس ضمن میں لفظ لکے بہت سے تاویل معنی کئے گئے ہیں اور شاید اس لئے کہ یہ حدیث مدعا علیہ کے متضاد کے بالکل مخالف تھی۔ حدیث کے الفاظ ایسے مبہم نہیں کہ ان کے مفہوم کیلئے کسی تاویل کی ضرورت ہو۔ ان سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ کہ وہاں بعد سے کیا مراد ہے۔

ختم نبوت کے بارہ میں مدعیہ کی طرف سے جو حدیث بہت انبوت والی پیش کی گئی ہے اس کے متعلق مدعا علیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے اس میں من قبلی کے الفاظ ہیں۔ اور ان الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ یہ مثال ان انبیاء کی نسبت سے ہے جو حضور سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ آئندہ کسی نبی کے آنے یا نہ آنے کا اس میں ذکر نہیں۔ لیکن یہ محبت اس لئے درست نہیں۔ کہ اس حدیث میں نبوت کو ایک گھر سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور اس کی تکمیل کے سلسلہ میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ آپ کے وجود باوجود سے قبل غیر مکمل تھا۔ آپ کے تشریف لانے پر مکمل ہو گیا۔ اگر آئندہ انبیاء کا سلسلہ جاری رہتا تو یہ تم کیا جاتا۔ تو پھر اس گھر کی تکمیل لازم نہیں آتی۔ یہ سمجھانے کیلئے کہ اب سلسلہ انبیاء میں سے اور کوئی باقی نہیں۔ نبوت

کو ایک گھر سے تشبیہ دیکھی۔ اور جیسا کہ گھر کی چٹائی اینٹوں سے کیجاتی ہے۔ اس بیت نبوت کی چٹائی انبیاء سے ہوئی۔ اور جو ایک اینٹ اس گھر کی تکمیل کو ناقص نہائے ہوئے تھی۔ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تشریف لانے پر پوری ہو گئی۔ اس مثال سے یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ مشیت ایزدی میں جو تعداد انبیاء مقرر تھی۔ وہ آپ کے تشریف لانے سے پوری ہو چکی۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ آنا بھی یہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ انبیاء کی تعداد میں اب کوئی عدد باقی نہیں رہا۔ اس لئے سابقہ اعداد میں سے ایک کو واپس لانا پڑا ہے۔ اس پر مدعا علیہ کی طرف سے یہ اعتراض کیا گیا ہے۔ کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام کا آنا تسلیم کیا جاوے۔ تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ مکان کی تعمیر ادھوری رہ گئی۔ لیکن یہ حجت اس لئے قائم نہیں رہ سکتی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس مکان کی تعمیر میں پہلے شامل ہو کر اسے مکمل کر چکے ہیں۔ اور نئے نبی اگر ابھی اور آئے باقی ہوں۔ تو پھر اس عمارت کی تعمیر مکمل نہیں سمجھی جاسکتی۔ اس کی تکمیل اس وقت سمجھی جائے گی۔ جب تمام انبیاء ختم ہو چکیں۔ اس لئے اس وقت میں مکمل سمجھا جائے گا۔ جبکہ تمام انبیاء کا سلسلہ ختم نہ ہوئے۔ حضور کا اس عمارت کو اپنی تشریف آوری سے مکمل فرمادینا اس بات کی دلیل ہے۔ کہ آپ کے بعد تعداد انبیاء میں سے اور کچھ باقی نہیں۔ حضرت عیسیٰ کا آنا ایسا ہے کہ جسے کوئی شخص اپنے تکمیل شدہ مکان میں سے کچھ اینٹیں اکھاڑ کر بشرط ضرورت دوسری جگہ لگا دے۔ اس پر یہ کہا جائیگا کہ اس نے اپنے مکان کو اکھیڑا۔ یہ نہ کہا جائیگا۔ کہ اس نے مکان کو مکمل نہیں کیا۔ کیونکہ اس کی تکمیل پہلے ہو چکی تھی۔

مدعا علیہ کی طرف سے کہا گیا ہے۔ کہ مرزا صاحب کا نبی ہونا اس مکان کی تعمیر کا منافی نہیں کیونکہ انہیں حضور کے فیض سے نبوت ملی ہے۔ اس لئے یہ نبوت اس مکان بیت النبوت کی تکمیل کا سلسلہ شمار ہوگی۔ ظاہر ہے کہ ایک مکمل چیز پر اگر کوئی اور زائد چیز بطور اضافہ شامل کیاوے۔ تو اس سے وہی صورتیں پیدا ہوگی۔ یا تو وہ زائد چیز اس کی زینت کو بڑھا دیگی یا اسے بدذیب کر دیگی۔ اب اگر مرزا صاحب کو بیت النبوت پر چپاں کیا جاوے۔ تو وہ یا تو اس کی زینت کو بڑھائیں گے۔ یا اسے بدذیب کریں گے۔ اگر سمجھا جائے کہ ان سے اس کی زینت

بڑھے گی۔ تو اس سے وہ افضل الانبیاء ہو جائیں گے۔ نہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور
 یہ بات ان کے اپنے عقیدہ کے بھی خلاف ہے۔ اب صاف ہے کہ ان کے اس بہت
 النبوة پر چپاں ہو نیسے دوسری ہی صورت پیدا ہوگی۔ اور اس گھر کی تکمیل میں وہ زائد
 از ضرورت ہی رہیں گے۔ اس لئے اس حدیث سے جسکی صحت سے مدعا علیہ کو بھی انکار
 نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آخری نبی ہونا پوری طرح ثابت ہو جاتا ہے۔ مدعیہ
 کی طرف سے ایک اور حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ کہ میری امت میں تیس کذاب
 ہوں گے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے آپ کو نبی خیال کرے گا۔ حالانکہ میرے بعد کوئی نبی
 نہیں۔ اس کے متعلق مدعا علیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ اس حدیث سے یہ ثابت نہیں
 ہوتا کہ آپ کے بعد قیامت تک جو بھی دعویٰ نبوت کرے وہ ضرور جھوٹا ہے۔ کیونکہ آخر
 زمانہ میں موعود کے موعود کو خود حضور نے بھی نبی اللہ کے لقب سے ملقب فرمایا ہے
 دوسرے تیس کی تعیین بھی بتلاہی ہے کہ کوئی سچا بھی آسکتا ہے۔ تیسرا اس حدیث کا
 مضمون آج سے تریسٹیا پانچ سو برس پہلے پورا ہو چکا ہے۔ کیونکہ ۳۰ وصال و کذاب گذر چکے
 ہیں۔ اس کا جواب ایک تو خود گواہ مدعا علیہ نے ہی دیدیا ہے کہ اس کے علاوہ اور بھی
 حدیثیں ہیں کہ جس میں کذابوں کی تعداد کم و بیش ۷۰ تک بیان کی گئی ہے۔ اس لئے
 سمجھا جائیگا۔ کہ حضور نے ۳۰ کی کوئی متعین تعداد بیان نہیں فرمائی۔ بلکہ اس قسم کے اعداد
 بیان کرنے سے حضور کی مراد کذابوں کی کثرت بیان کرنے سے تھی کیونکہ اگر مدعا علیہ کی بحث کی رو سے یہ
 قرار دیا جاوے کہ ایسے کذابوں کی صحیح تعداد ۷۰ ثابت ہے تو پھر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جو میں کذاب
 اس سے قبل گذرنے بیان کیے جاتے ہیں ان میں سے تین ضرور سچے ہوں گے لیکن ایسا ثابت نہیں ہوتا۔
 اور ان باقی ماندہ تین کو بھی دنیا نے جھوٹا ہی سمجھا۔ اور انہیں بھی کذابوں کی ذیل میں داخل کیا گیا۔ دوسرا
 موعود کے آنے کی استثناء خود حضور نے فرمادی اور ساتھ ہی اس کا نام عیسیٰ ابن مریم بتلا کر
 اُسے نام سے ہی مشخص فرمادیا۔ علاوہ ازیں اگر سچے نبی ہو سکتے تھے۔ تو کوئی وجہ
 معلوم نہیں ہوتی۔ کہ جہاں حضور نے جھوٹے بنیوں کی آمد اور ان کی تعداد کی اطلاع
 دی تھی۔ وہاں اس کی تصریح کیوں نہ فرمائی۔ کہ اس کے بعد سچے نبی بھی آسکتے

اور اس قدر آئیں گے۔ ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ امت کو ایک گمراہی سے بچا کر دوسری گمراہی میں ڈال دیا جاتا۔ اور انہیں جھوٹے اور سچے نبی میں تمیز کرنے کیلئے کوئی معیار نہ بتلایا جاتا۔ اس لئے یہ حدیث بھی مشیت اوعادعیہ اور مدعا علیہ کی حجت کے منافی ہے۔

لہذا اس تمام بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آخری نبی ہیں۔ اور آپ کے بعد اور کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد مدعا علیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے۔ کہ مسیہ کذاب وغیرہ کاذب مدعیان نبوتہ کے جو حوالے مدعیہ کی طرف سے پیش کئے گئے ہیں۔ اور یہ کہا گیا ہے۔ کہ انہیں اس بناء پر قتل کیا گیا کہ انہوں نے دعوائے نبوت کیا تھا۔ یہ درست نہیں ہے کیونکہ ان لوگوں کیساتھ صحابہ جنگ کرنا محض اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے بغاوت کی تھی اور اسلامی حکومت کا مقابلہ کر کے خود بادشاہ بنا چاہا تھا۔ اور نبوت کے دعوائے کو اس کے حصول کیلئے انہوں نے صرف ایک ذریعہ بنایا تھا۔ اگر مدعا علیہ کا یہ ادعا درست بھی سمجھ لیا جاوے۔

تو چونکہ اس کے ساتھ ہی وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے دعوائے نبوت کو حصول حکومت کیلئے ایک ذریعہ بنایا تھا۔ تو اس سے یہ نتیجہ بھی نکالا جاسکتا ہے۔ کہ جس بناء پر وہ اپنے آپ کو حکومت کا حقدار سمجھتے تھے۔ صحابہ نے اسے بھی نادرست سمجھا تھا۔ اگر صحابہ کے ذہن میں یہ ہوتا کہ حضور کے بعد نبوت ہو سکتی ہے۔ تو وہ ان کی نبوت کے متعلق پورا اطمینان کرتے۔ اور اس کے بعد ان کے ساتھ جنگ کرنا کفارہ نہ کرتے۔ خلافت ارضی جلیل اللہ در انبیاء کی نبوت کا ایک جزو لاینفک رہی ہے۔ اور ممکن ہے کہ مذکورہ بالا مدعیان نبوت خلافت ارضی کو لوازمات نبوت میں سے سمجھتے ہوئے دعوائے نبوت کے بعد اس کیلئے کوشاں ہوئے ہوں۔ تو اس صورت میں صحابہ کا ان کیساتھ جنگ کرنا دعوائے نبوت کی بناء پر متصور ہوگا۔ نہ کہ بغاوت کی بناء پر کیونکہ انہیں باطنی مترادف اور کافر قرار دیا جا کر سمجھا گیا۔

اس سلسلہ میں مزید کسی بحث کی ضرورت نہیں۔ مدعا علیہ نے اپنی بحث میں آگے یہ
 دکھلایا ہے کہ مرزا صاحب نے ظلی اور بروزی کی اصطلاحات یہ دکھانے کے لئے قائم کی
 ہیں کہ جس قسم کی نبوت کے وہ مدعی ہیں۔ وہ شریعت والی نبوت نہیں اور نہ اس سے
 قرآن مجید کا منسوخ ہونا لازم آتا ہے۔ بلکہ آپ کا مطلب ان سے صرف یہ تھا کہ ان کو
 بلا واسطہ نبوت نہیں ملی۔ بلکہ آنحضرت صلعم کے اتباع اور آپ میں فنا ہو کر اور
 آپ کی عنایت میں یہ مرتبہ نبوت ملا ہے۔ اس لئے آپ نے اپنے آپ کو ظلی نبی لکھا
 تاکہ آئندہ لوگ نبی کا لفظ سن کر چونک نہ پڑیں۔ اور اس ظلی بروزی کے لفظ سے سمجھیں کہ
 آپ ویسے نبی نہیں جو معروف اصطلاح میں لئے جاتے ہیں۔ بلکہ یہ کہ ہر ایک کمال آپ کو آنحضرت
 صلعم کے اتباع اور ذریعہ سے ملا ہے۔ آپ نے صرف اپنی نبوت کی حقیقت سمجھانے کیلئے
 ظلی بروزی اور امتی نبی کی اصطلاحیں مقرر کیں تاکہ لوگ نبی کے لفظ سے دھوکا نہ کھا جائیں
 اور اصطلاحوں کا قائم کرنا۔ ہر ایک کیلئے جائز ہے۔ بروزی وغیرہ کے الفاظ صوفیائے
 بھی قائم کئے ہیں۔ مرزا صاحب تناسخ کے اس معنی میں جس معنی میں کہ اہل ہنود
 سمجھتے ہیں قابل نہ تھے۔ ان کے اس قول سے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی
 خود طبیعت اور مشابہت کے لحاظ سے عبداللہ لیسر عبدالمطلب
 کے گھر جنم لیا۔ سے یہ مراد نہیں کہ آنحضرت کی پیدائش حضرت ابراہیم ہی کی پیدائش
 تھی۔ چنانچہ انہوں نے تریاق القلوب صفحہ ۵۵ پر وجود دورویہ کی تفسیر خود ہی
 بیان کی ہے۔ اور تناسخ کے مسئلہ کا رد مرزا صاحب نے اپنی بہت سی کتابوں میں کیا
 ہے۔ ہمدی موعود کی بروزی نبوت کے متعلق مدعیہ کے گواہ مولوی نجم الدین صاحب
 نے جو اعتراض کیا ہے۔ اس کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ اس نے اس حوالہ کے آگے کی عبادت
 نہیں پڑھی۔ اس میں خاتم الاولاد کا مطلب یہ ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ اس کے خاتمہ
 کے بعد نسل انسان کوئی کامل فرزند پیدا نہیں کرے گی۔ باستثناء ان فرزندوں
 کے جو اس کی حیات میں ہوں۔

سوائے ظلی اور ہمدی اصطلاحات کے باقی تمام بحث ذریعہ امور کے متعلق

ہے۔ جن کا امر ماہ النزاع پر چنداں کوئی اثر نہیں پڑتا۔ لیکن اس کے جواب میں اگر مدعیہ کی بحث کو جو اوپر بیان کی جا چکی ہے دیکھا جاوے تو اس سے یہ نتیجہ درست طور پر آتا ہوتا ہے۔ کہ ظلی اور بروزی اور امتی وغیرہ کی اصطلاحات محض الفاظ ہی الفاظ ہیں۔ واصل مرزا صاحب کا دعویٰ حقیقی ثبوت کے متعلق ہی تھا۔ جیسا کہ اس کی تشریح بعد میں ان کے خلیفہ ثانی کی تحریر میں جس کا حوالہ اوپر گذر چکا۔ کی گئی ہے۔ خلیفہ صاحب کی اس تحریر کے متعلق مدعا علیہ نے ان کی ایک اور تحریر کا حوالہ دیتے ہوئے یہ کہا ہے کہ وہ لکھتے ہیں کہ میں نے مثال کے طور پر سچا تھا کہ اگر حقیقی نبی کے یہ معنی کئے جاویں کہ وہ بناؤنی یا نقلی نبی نہ ہو۔ تو ان معنوں کی رو سے حضرت مسیح موعود کو میں حقیقی نبی مانتا ہوں یعنی صادق اور منجانب اللہ اور غیر تشریحی نبی مانتا ہوں۔ لیکن اس سے ان کی وہ تحریر جس کا حوالہ مدعیہ کی طرف سے دیا گیا ہے رو نہیں ہوئی۔ وہ تحریر بذاتہ ایسی ہے کہ جس سے خود ایک مستقل مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ اس میں انہوں نے مرزا صاحب کے حقیقی نبی ہونے کا ثبوت دینے کی جتنی آمادگی ظاہر کی ہے۔ اور چہرہ ساتھ ہی یہ کہا کہ انہوں نے ظلی بروزی کے الفاظ محض بطور انکسار کے استعمال فرمائے ہیں۔ اور کہ اس قسم کی زردتی نبیوں کی شان میں داخل ہے۔ ان کے ان الفاظ کی مدعا علیہ کی طرف سے کوئی تردید نہیں کی گئی۔ اور نہ ان کی کوئی تردید ہو سکتی ہے۔ مرزا صاحب نے اپنے ایک اعلان میں یہ لکھا ہے کہ خدا نے مجھے آنحضرت صلعم کا وجود ہی قرار دیا۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بروزیات کے سلسلہ میں مرزا صاحب کے جن اقوال کا حوالہ گواہان مدعیہ کے بیانات میں دیا گیا ہے۔ اور ان سے جو نتائج انہوں نے برآمد کئے ہیں۔ اور جو ان کی بحث میں اوپر بیان کئے جا چکے ہیں۔ ان سے واقعی یہ افسوس ہوتا ہے۔ کہ مرزا صاحب اپنے ان اقوال میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اس قسم کا جنم مراد لیتے ہیں کہ جو بشری تناسخ سمجھا جاتا ہے۔ نہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خود۔ طبیعت اور دیگر خصائل کے ودیعت ہونے سے۔ ان سوالات پر زیادہ بحث کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ

یہ سوالات مرزا صاحب کی اپنی تکفیر سے تعلق رکھنے ہیں جو کہ اس مقدمہ میں ایک ضمنی سوال ہے۔ اس لئے ان کے لیے عقائد پر کہ جن پر مقدمہ ہذا کے تصفیہ کا زیادہ دارومدار نہیں ہے۔ تفصیلی بحث بلا ضرورت ہے۔

ذیل میں مدعا علیہ کی طرف سے مدعیہ کے ان اعتراضات کا جواب درج کیا جاتا ہے۔ جو مرزا صاحب کے دعوے نبوت شریعیہ کے متعلق عائد کئے گئے ہیں۔

اس کی طرف سے بیان کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب نے جہاں اپنے لئے رسول کا لفظ لکھا ہے وہاں انہوں نے اس لفظ کے ساتھ کسی جگہ شریعت کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے صاف لکھا ہے کہ آسمان کے نیچے بجز فرمانِ حکیم اور کوئی کتاب نہیں دعوے نبوت کے متعلق انہوں نے صاف کہا ہے کہ میں ان معنوں سے نبی ہوں۔ کہ میں نے اپنے رسول مقدر سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لئے اس کا نام پا کر اس کے واسطے سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے۔ رسول اور نبی ہوں۔ مگر بغیر کسی جدید شریعت کے اور جہاں انہوں نے یہ کہا ہے کہ مجھے نبی کا خطاب دیا گیا۔ وہاں آگے یہ الفاظ بھی ہیں۔ مگر اس طرح سے کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی۔

جہاں مرزا صاحب نے یہ کہا ہے کہ وہ اپنی وحی پر اس طرح ایمان لاتے ہیں جس طرح کہ قرآن اور دوسری وحیوں پر۔ اس سے ان کا صاحب شریعت نبی ہونے کا دعوے اخذ نہیں ہوتا۔ بلکہ اس قسم کے اقوال سے یہ مراد ہے کہ آپ اپنی وحی کو منجانب اللہ اور اس کے دخل شیطانی اور خطائے پاک و منزه ہونے پر کامل یقین رکھتے ہیں اور اس کا وہ اظہار کر رہے ہیں۔ اور یہ اس بات کو مستلزم نہیں کہ آپ صاحب شریعت ہونے کے مدعی ہیں۔

مرزا صاحب نے یہ نہیں کہا کہ میری وحی شریعی اور قرآن کی مثل ہے۔ مرزا صاحب کا اپنی وحی کو مدارِ نجات ٹھہرانا بھی ان کا مدعی نبوت شریعی ہونا ثابت نہیں

کرتا۔ کیونکہ ان کی جو وحی اور تعلیم ہے۔ وہ وہی تعلیم ہے۔ جو عین قرآن مجید اور اسلام کی ہے۔ لیکن انہی بات ضرور ہے کہ اب قرآن مجید کی اس تعلیم پر کار بند ہو کر وہی نجات پاسکتا ہے جو آپ کے حلقہ بیعت میں داخل ہو دو ستر انہیں۔ مرزا صاحب نے یہ نہیں فرمایا کہ میری وحی میں کوئی نئی شریعت ہے یا میری وحی ناسخ شریعت محمدیہ ہے۔ بلکہ فرمایا کہ شریعت محمدیہ کے ہی بعض ضروری احکام کی تجدید ہے۔ قرآن مجید کی بیسیوں آیتیں دوبارہ امت محمدیہ کے اولیاء اللہ پر نازل ہوئیں۔ اس طرح مرزا صاحب پر قرآن مجید کے بہت سے اوامر و نواہی نازل ہوئے اور انہی کے متعلق مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ میری وحی میں امر بھی ہے اور نہی بھی۔

مرزا صاحب کے قول سے مذکورہ بالا کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ اولیاء امت نے اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ شریعت محمدی کے اوامر و نواہی کا بطور تجدید کے کسی بزرگ پر نازل ہو جانا ناجائز ہے۔ صرف ایسے اوامر و نواہی کا جو شریعت محمدیہ کے مخالف ہوں۔ اور آنحضرت صلعم کی پیروی کا نتیجہ نہ ہوں۔ اترنا ممنوع ہے۔ اس قول میں مرزا صاحب نے شریعت کا لفظ صرف مخالفین کے مقابل پر بطور الزام استعمال کیا ہے۔ اور فرضی طور پر معترضین کو ملزم کرنے کیلئے فرماتے ہیں۔ کہ یہ عذری مخالفین کا باطل ہے۔ کیونکہ شریعت اوامر و نواہی کا نام ہے اور مرے الہات میں امر اور نہی دونو موجود ہیں۔

قول ملا کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ اس سے جو مرزا صاحب کے صاحب شریعت نبی ہونیکا استدلال کیا گیا ہے۔ وہ درست نہیں۔ کیونکہ اس جگہ انہوں نے صرف صاحب شریعت نبی محدث اور ملہم کے انکار کا حکم بیان کیا ہے۔ اور دوسرے انبیاء جو شریعت یا احکام جدیدہ نہیں لائے۔ ان کا حکم اس عبارت میں مذکور نہیں۔ اس سے گواہان مدعیہ نے جو قیاس نکالا ہے وہ مرزا صاحب کی دوسری تحریروں کے مخالف ہے۔ کیونکہ دوسری جگہ مرزا صاحب نے کہا ہے کہ میری مراد نبوت سے یہ نہیں ہے کہ میں آنحضرت صلعم کے مقابلہ پر کھڑا ہو کر نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں۔

یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں۔ صرف میری مراد نبوت سے کثرت مکالمات و
مخاطبت الہیہ ہے۔ اور دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ جو شخص مجھے نہیں مانتا وہ
اس وجہ سے نہیں مانتا کہ وہ مجھے مفتی قرار دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ
خدا پر اقرار کرنا سب کافروں سے بڑھ کر کافر ہے۔ پس جبکہ میں نے ایک
مکذب کے نزدیک خدا پر اقرار کیا تو اس صورت میں میں نہ صرف کافر بلکہ بڑا
کافر ہوا اور اگر میں مفتی نہیں تو بلاشبہ وہ کفر اس پر پڑے گا۔

مرزا صاحب کے مدعی صاحب شریعت ہونے کی بابت مدعیہ کی طرف سے
جو ان کے ماہواری چہرہ دیے جانے کے حکم کا سوال دیا جا کر بحث کی گئی ہے
اس کے متعلق مدعا علیہ کا یہ جواب ہے کہ وہ کوئی نیا حکم نہیں اور نہ اس میں تقمیل
نہ کر نیولے کے متعلق کافر۔ مرتد یا ملعون وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے گئے
ہیں بلکہ یہ حکم قرآن مجید کی تعلیم کے مطابق ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں اللہ
تعالیٰ نے انفاق فی سبیل اللہ پر بہت زور دیا ہے۔ مرزا صاحب نے اس
قرآنی تعلیم کے ماتحت فرمایا کہ ایسا شخص جو راہ خدا میں خرچ نہیں کرتا۔ اور
باوجود مقدرت ۳۔ ۳ ماہ تک اس زبان حکم سے غافل رہتا ہے۔ اور کچھ
پرواہ نہیں کرتا تو اس کا سلسلہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اور گواہان مدعیہ کا یہ
کہنا کہ زکوٰۃ نہ دینے والے کے متعلق ایسا حکم نہیں ہے درست نہیں۔ کیونکہ حضرت
ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان لوگوں کے متعلق جنہوں نے زکوٰۃ دینے سے
انکار کیا تھا۔ فرمایا کہ اللہ کی قسم کہ اگر انہوں نے ایک معمولی رسی بھی جس سے اونٹ
باندھا جاتا ہے اور جسے وہ رسول اللہ صلعم کے وقت میں ادا کرنے سے روکی
تو میں ان سے قتال کروں گا۔ دیکھئے کہ زکوٰۃ آپس سے کچھ حصہ ادا نہ کرنے پر کتنی
سخت مترقی کی گئی۔ ان دلائل کے زیادہ تفصیلی جوابات دینے کی ضرورت
نہیں۔ ان کو اگر گواہان مدعیہ کی پیش کردہ دلائل کی روشنی میں دیکھا جائیگا
تو ان کا البطلان خود بخود ہی ثابت ہو جائیگا۔ تاہم ان کے مختصر جوابات درج کئے جاتے

ہیں۔ رسول کی تعریف خود گواہ مدعا علیہ نے یہ کی ہے کہ جو صاحب کتاب سو۔ اور نبی عام ہوتا ہے۔ چاہے کتاب لائے یا نہ لائے۔ اب مرزا صاحب کے اپنے آپ کو رسول کہنے سے یہی مراد لی جائے گی کہ وہ صاحب کتاب نبی ہیں۔ علاوہ ازیں جو وحی کہ دخل شیطان سے منزه قرار دیا جاوے تو وہ منجانب اللہ ہونی کی وجہ سے اس طرح قطعی ہو گی جیسا کہ دیگر انبیاء کی وحی۔ چنانچہ مرزا صاحب خود بھی فرماتے ہیں کہ اگر ان کی وحی کو جمع کیا جائے تو وہ کئی جزیں بن جائے۔ اب اس قسم کی وحی اگر کتابی صورت میں نہ بھی لائی جائے تو بھی کتاب اللہ کہلائے گی۔ کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اوامر و نواہی بیان کئے جاتے ہیں۔ مرزا صاحب کی ایسی وحی جس میں شریعت محمدیہ کے اوامر و نواہی کی تجدید ہے بہت نھوڑی ہے۔ اس کے علاوہ ان کی جو دیگر وحی ہے۔ اس کی قطعیت کے لحاظ سے اس پر بھی اس طرح اہمان لانا ضروری ہوگا۔ جیسا کہ قرآن مجید پر اور وہ بھی شریعت کا جزو تصور ہوگی۔ اس لئے مرزا صاحب نے رسول کے لفظ کیساتھ شریعت کا لفظ استعمال نہیں کیا تو بھی ان کی تصریحات سے یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ صاحب شریعت رسول ہیں چاہے وہ صاف الفاظ میں یہ کہیں یا نہ کہیں۔ ان کے دیگر اقوال سے نتیجہ یہی برآمد ہوتا ہے جو اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ ان کے دیگر اقوال جن میں انہوں نے اپنی نبوت کی تشریح کی ہے یا یہ کہا ہے کہ جدید شریعت نہیں لائے۔ ان اقوال کا کہ جن سے مذکورہ بالا نتائج اخذ ہوتے ہیں۔ رد نہیں بن سکتے کیونکہ جیسا کہ شروع بحث میں دکھایا گیا۔ جو اقوال کہ اپنے اندر مستقل مفہوم لئے ہوئے ہیں۔ ان کے مطابق وہی سمجھے جائیں گے جو ان اقوال کی اپنی طرزِ بیاں سے اخذ ہونے ہیں۔ اور تا وقتیکہ اس بات کی صراحت نہ ہو کہ وہ اقوال واپس لئے جا چکے ہیں۔ دیگر اقوال نہ ان کے قائم مقام بن سکتے ہیں اور ان کی تشریح۔

مرزا صاحب چاہے یہ کہیں یا نہ کہیں کہ ان کی وحی شریعی اور قرآن کی شکل ہے۔ وہ جب اُسے دخل شیطان سے پاک سمجھتے ہیں اور دوسروں پر حجت قرار

دیکر اسے مدارِ نجات ٹھہراتے ہیں۔ اور اپنے نہ ملنے والے کو بھی کافر سمجھتے ہیں۔ اور بقول گواہ مدعا علیہ اب آئندہ کیلئے مرزا صاحب کی بیعت میں داخل ہونا بھی ضروری ہے۔ تو پھر کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ ان کی وحی شرعی نہیں خصوصاً جبکہ صاحبِ شریعت کی تعریف بھی خود مرزا صاحب یہ کرتے ہیں کہ جس نے اپنی وحی کے ذریعہ چند امور نہی بیان کئے اور اپنی اُمت کیلئے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحبِ شریعت ہو گیا۔ اور پھر آگے یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں کہ وہ اور نو ابھی نئے ہوں۔ ان کی اس تعریف کی رو سے صاف قرار دیا جاسکتا ہے کہ وہ اور نو ابھی نئے ہوں۔ ان کی اس تعریف کی رو سے صاف قرار دیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی وحی کو شرعی وحی سمجھتے ہیں اور جب وہ شرعی وحی ہوئی تو اس پر ایمان لانا سیطرع واجب ہوا جیسا کہ قرآن مجید پر۔ یہ ضروری ہے کہ قرآن مجید کی آیات کا نزول دیگر اولیاء اللہ پر بھی ہوتا ہے۔ لیکن ان میں سے کسی نے ان کو اپنے اوپر چسپاں نہیں کیا۔ اور نہ ان کو دوسروں پر بطور حجت پیش کیا ہے۔ اس لئے دیگر اولیاء اللہ کی مثال مرزا صاحب کے مقابلہ میں پیش نہیں کی جاسکتی۔

قول میں صاحبِ شریعت کے الفاظ مرزا صاحب کی طرف سے فرضی طور پر استعمال نہیں کئے گئے جیسا کہ مدعا علیہ کا دعویٰ ہے۔ بلکہ بڑی شد و مد سے صاحبِ شریعت کی تعریف کی جا کر اپنا صاحبِ شریعت ہونا دکھ لایا گیا ہے اس قول کی عبارت پڑھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہاں صاحبِ شریعت کے الفاظ فرضی ہیں یا منہلی اس قول کی مزید تائید پھر قول ۱۱ سے ہوتی ہے۔ اس قول میں مرزا صاحب کے دیگر اقوال کے تناقض ہونیکو خود گواہ مدعا علیہ نے بھی مانا ہے۔ اور مرزا صاحب کے دیگر اقوال سے اس نقیض کو دفع کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن یہ قول بذاتہ کسی شرح کا محتاج نہیں۔ اور اپنا مفہوم آپ ہی بیان کر رہا ہے۔ اس قول میں مرزا صاحب نے اپنی غلط

اور شان دکھلا کر یہ ثابت کیا ہے کہ وہ صاحبِ شریعت نبی ہیں۔ اور اپنے
دعوے کے انکار کرنے والوں کو وہ اس بنا پر کافر کہتے ہیں۔ یہ ان کی طرف
سے ایک دوسری توجیہ ہے۔ کہ وہ اس شخص کو جو انہیں نہیں
مانتا اس بنا پر کافر کہتے ہیں کہ وہ انہیں مفری سمجھتا ہے۔

اور چونکہ وہ مفری نہیں ہیں ہی اس لئے وہ کفر اس پر ٹوٹا ہے۔
مرزا صاحب نے اپنی جماعت کو جو ماہواری چندہ دینے کا حکم دیا
ہے۔ اور اس سلسلہ میں ان کی طرف سے جو فرمان شائع ہوا ہے۔ اور

جس کا حوالہ اُدیر دیا جا چکا ہے اس کے ملاحظہ سے پایا جاتا ہے کہ انہوں
نے یہ حکم اللہ تعالیٰ سے مطلع ہو کر دیا ہے۔ گویا یہ حکم دراصل ان کا حکم
نہیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ چنانچہ گواہ مدعا علیہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ یہ ایک

ربانی حکم ہے۔ اور اس ربانی حکم کی تعمیل نہ کرنے والے کو مرزا صاحب نے
منافی کہا ہے۔ اب اگر مرزا صاحب نے صاف الفاظ میں یہ نہیں کہا کہ وہ مرتد
اور ملعون ہے تو اس سے ان کے اس حکم کے نتیجہ برکہ وہ منافی ہے
کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ کیونکہ منافی کو خداوند تعالیٰ نے کافروں کی
ذیل میں شامل کیا ہے۔ بلکہ بہت بڑا کافر کہا ہے۔ اس لئے قاصر کو
سوائے اس کے کہ اسے مرتد اور ملعون سمجھا جائے۔ اور کیا کہا جائے گا۔ کیونکہ
اس کا بیعت سے خارج ہو جانا بھی مثل ارتداد ہے۔

اگر مرزا صاحب کے باوجود اسے منافی کہنے اور بیعت سے خارج کرنے
کے گواہ مدعا علیہ کے نزدیک پھر بھی وہ مسلمان رہتا ہے۔ تو اس
کے یہ معنی ہیں کہ وہ مرزا صاحب کو نبی اللہ نہیں مانتا۔ کیونکہ نبی کے حکم کی تعمیل
عین خدا کی تعمیل ہوتی ہے۔ اور اس کی ناراضگی موجب غضب الہی معلوم
ہوتی ہے کہ یہ حکم دیتے وقت مرزا صاحب نے بھی اپنے مرتبے کو پوری طرح
مد نظر نہیں رکھا۔ اور اپنی طاقت کے ساتھ خدا کی طاقت کو بھی شامل

کرنے کے باوجود قاصر کو صرف میں سزا دے سکتے ہیں۔ کہ اُسے سلسلہ
 بیعت سے خارج کر دیا جائے گا۔ حالانکہ حُذْرانے بنی کی وہ شان بنائی ہے
 کہ اس کے حکم کی عدم تعمیل تو بجائے ماند اُس کے آگے اونچا بولنے سے
 بھی تمام اعمال کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اور عدم تعمیل احکام
 تو دین و دنیا میں کہیں کا نہیں چھوڑتی۔ اس سلسلہ میں مدعیہ کی طرف سے
 یہ درست کہا گیا ہے کہ زکوٰۃ کے متعلق بھی اس قسم کا کوئی شرعی حکم
 نہیں جس حکم کا حوالہ گواہ مدعا علیہ نے دیا ہے۔ وہ رسول اللہ صلعم
 کے خلیفہ ماوِل کلب سے نہ کہ حُذْرانے کے رسول کا۔ گواہ مدعا علیہ کا اس بارہ
 میں مرزا صاحب کا حضرت ابو بکر صدیق کے ساتھ مقابلہ کرنا مرزا صاحب
 کے مرتبہ کی اور تفصیص ظاہر کرتا ہے۔ ایک طرف تو وہ انہیں بنی مانتا ہے۔ اور
 پھر ان کے احکام کے مقابلہ میں ایک غیر بنی کے احکام پیش کرتا ہے۔ یہ معمر
 سمجھ میں نہیں آتا کہ ان لوگوں نے مرزا صاحب کو باوجود بنی ماننے کے
 ان کی کیا شان سمجھ رکھی ہے۔ کچھ شک نہیں کہ مرزا صاحب کا یہ حکم زکوٰۃ پر
 مستزاد ہونے کی وجہ سے ایک نیا حکم ہے۔ اور اس بنا پر مرزا صاحب
 اپنی بیان کردہ تعریف کی رو سے بھی شرعی بنی ہوئے ہر حکم انفاق فی سبیل اللہ
 کی ترغیب نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں نافذ ہونا بیان کیا گیا ہے
 اور خود مدعا علیہ کی طرف سے اُسے ایک ربانی حکم ہونا مانا گیا ہے۔ اور
 پھر اُس کی سزا بھی محض دنیاوی مفت نہ رہیں بلکہ قاصر کو منافی
 قرار دیا جا کر اور مرتد بنا یا جا کر اُسے عذابِ آخرت کا مستوجب قرار دیا
 گیا ہے۔ تو ان حالت میں کیونکر کہا جاسکتا ہے۔ کہ یہ کوئی شرعی حکم
 نہیں۔ بلکہ محض انفاق فی سبیل اللہ میں ایک ترغیب ہے۔ اگر نبیوں کے
 احکام کی اس طرح تعبیر کی جانی لگے۔ تو پھر بنی اور رسولوں کے احکام
 تو بجائے ماند احکام حُذْرانے کی بھی کوئی حقیقت نہیں رہتی اور

نبوت کا تمام سلسلہ ہی ایک بے معنی سبب دیکھائی دینے لگتا ہے۔ لہذا مرزا صاحب کی ان تحریروں سے جبکہ اُوپر حوالہ دیا گیا ہے۔ یہ نتیجہ درست طور پر اخذ کیا گیا ہے۔ کہ وہ صاحبِ شریعت نبی ہونے کے بھی دعویدار ہیں۔ گو بعد میں انہوں نے اپنے اس دعوے میں کامیاب ہونے کی صورت دیکھ کر اس پر زیادہ زور نہیں دیا۔ اور اپنے ان اقوال کی جن سے اُن کے صاحبِ شریعت نبی ہونے کے نتائج اخذ ہوتے ممتنع تھے انہیں شروع کر دیے۔

اس کے بعد مدعا علیہ کی طرف سے مرزا صاحب کے قیامت نفع سور۔ اور حشر آیات وغیرہ عقائدات کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ گواہان مدعیہ کی طرف سے ان عقائد کی نسبت جو اعتراضات وارد کئے گئے ہیں وہ درست نہیں۔ کیونکہ مرزا صاحب نے ان عقائد کی نسبت جو کچھ بیان کیا ہے وہ قرآن مجید اور احادیث کی رو سے درست ہے۔ ان عقائد کے متعلق زیادہ تفصیلی بحث کی ضرورت نہیں صرف یہ بکھدینا کافی ہے کہ اگر مرزا صاحب کو نبی تسلیم نہ کیا جائے تو پھر تو ان عقائد کے متعلق ان کے لئے ایک ذاتی رائے تصور ہوگی۔ اور اس سے اختلاف کیا جانا ممکن ہوگا۔ اور اگر انہیں نبی تسلیم کر لیا جاوے تو پھر ان کے لئے تسلیم دہی کا نتیجہ شمار ہو کر قابلِ پابندی ہوگا۔ اور اس صورت میں اس سے ذرا عجز و اختلاف نہیں ہو سکے گا۔ بلکہ اختلاف کرنے والا عاصی سمجھا جاوے گا ان کے نبی ہونے کی صورت میں ان کے یہ عقائد امت کے خلاف ہونے کی وجہ سے تحقیق طلب ہوں گے۔ اور ممکن ہے کہ اس صورت میں ان کے خلاف فتوے کی صورت بھی بدل جائے۔ مگر ان کے مدعی نبوت ہونے کی حالت میں ان کے یہ عقائد جمہور امت کے عقائد کے خلاف ہونے کے باعث وجوہات تکفیر میں مزید اضافہ کا سبب بن سکیں گے۔

اب ذیل میں تو ہمیں انبیاء کے سلسلہ میں مدعیہ کی طرف سے پیش کردہ دلائل کا جو جواب مدعا علیہ کی طرف سے دیا گیا ہے۔ وہ درج کیا جاتا ہے۔

مدعا علیہ کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ مرزا صاحب نے کسی نبی کی توہین نہیں کی کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ جو شخص اپنے آپ کو جن لوگوں سے مشابہت دیتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ میں بھی اس پاک کردہ کا ایک فرد ہوں۔ پھر کیونکہ ان کی توہین کر سکتا ہے۔ کیونکہ وہ توہین اس کی اپنی توہین ہوگی۔

اصول کے لحاظ سے تو یہ بات درست ہے۔ لیکن اس کا فیصلہ مرزا صاحب کے اقوال سے ہوتا ہے۔ گواہان مدعیہ کے بیانات میں اس کی مفصل بحث پائی جاتی ہے اس لئے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

مدعا علیہ کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ مرزا صاحب کے جن اشعار کو باعث توہین قرار دیا گیا ہے۔ اس سے کوئی توہین پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ مرزا صاحب کی ان اشعار سے مراد یہ ہے کہ جام عرفان الہی اور ایقان بہر نبی کو دیا گیا تھا۔ اور خداوند تعالیٰ نے وہ پورے کا پورا مجھے بھی دیا ہے۔ اور کہ میں اپنی معرفت اور عرفان الہی میں اور اپنے یقین میں کسی نبی اور رسول سے کم نہیں ہوں۔ اور یہ کمال جو مجھے حاصل ہوا ہے وہ آنحضرت صلعم کے آثار سے بطریق دراست ملا ہے۔

مرزا صاحب پر یہ غلط اتہام لگایا گیا ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلعم کی بھی توہین کی ہے۔ بلکہ آپ کی کتب آنحضرت صلعم کی تعریف سے پر ہیں۔ جن آیات متراہنہ کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے اُدب چپاں کی ہیں ان کے متعلق مولوی محمد حسین بٹالوی رئیس طائفہ اہلحدیث نے یہ لکھا ہے کہ مرزا صاحب نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ان آیات کا مورد نزول و مخاطب وہ ہیں۔ بلکہ ان کو کمال یقین اور صاف اقرار ہے۔ کہ قرآن اور پہلی کتابوں میں ان آیات میں مخاطب و مراد وہی انبیاء ہیں جن کی طرف ان میں خطاب ہے۔ اور ان کمالات کے محل وہی حضرات ہیں۔ جن کو خداوند تعالیٰ نے ان کمال کا محل ٹھہرایا ہے۔

لیکن یہ جواب اس وقت کے متعلق ہے۔ جب تک کہ مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت نہیں کیا تھا۔ مدعا علیہ کی طرف سے کہا گیا ہے کہ مرزا صاحب پر یہ الزام

بھی غلط لگایا گیا ہے۔ کہ انہوں نے عین محمدؐ نے کا دعویٰ کیا ہے۔ بلکہ انہوں نے اپنی کتابوں میں صاف طور کہا ہے۔ کہ میں ان کا خادم ہوں۔ اور وہ میرے خادم ہیں۔ میں ان کا ظل ہوں۔ اور وہ غسل ہیں۔ میں آپ کی خدمت اور آپ کی شاگردی اور آپ کے اتباع میں اس قدر فنا ہوا ہوں کہ گویا میرا وجود آپ کے وجود سے بلحاظ روحانیت علیحدہ نہیں ہے۔ اور بزرگان دین نے یہ دکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے کامل تابع بہ سبب کمال متابعت انہیں میں جذب ہو جاتے ہیں۔ اور ان کے رنگ میں ایسے رنگین ہوتے ہیں۔ کہ تابع اور متبوع یعنی نبی اور امتی میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ مولیٰ نے اول آخر ہونے کے مرزا صاحب نے یہ نہیں کہا کہ میں عین محمدؐ ہوں بلکہ بروزی طور پر فرمایا ہے۔ اور دیکھتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کی روحانیت نے ایک ایسے شخص کو اپنے لئے منتخب کیا۔ کہ جو خلق۔ ہمت ہمہ دردی خلاق میں اس کے مشابہ تھا۔ اور ظاہری طور پر پاپا نام احمد اور محمد اس کو عطا کیا۔ تا یہ سمجھا جاوے کہ گویا اس کا ظہور بعینہ آنحضرت صلعم کا ظہور تھا۔ لیکن صوفیانے اس مقام کو عنایت کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اس پر بھی مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ اس استدلال کو مدعیہ کے پیش کر وہ استدلال کی بددستی میں دیکھا جاسکتا ہے۔

مدعا علیہ کی طرف سے آگے یہ کہا گیا ہے کہ مرزا صاحب کے اس شعر سے کہ لا
خسف القمر المیروانی سے آنحضرت کی توہین نہیں نکلتی کیونکہ اگر مرزا صاحب
کیلئے چاند اور سورج کا گہن نشان ہوا۔ تو وہ اس لئے کہ احادیث کی کتب میں
سچے مہدی کی علامات میں سے یہ قرار دیا گیا ہے۔ پس یہ نشان بھی آنحضرت صلعم
کی طرف منسوب ہوگا۔ مگر مدعیہ کا استدلال اس پر نہیں کہ مرزا صاحب
نے چاند گہن کے نشان کو اپنے لئے تجویز کیا ہے۔ بلکہ اس کی طرف سے توہین
کا موجب یہ بات سمجھی گئی ہے کہ اس شعر میں رسول اللہ صلعم کے معجزہ شمس القمر
کا استخفاف کیا گیا ہے۔

رسول اللہ صلعم کے معجزات کے متعلق مدعیہ کی طرف سے مرزا صاحب کے جن اقوال پر اعتراض کیا گیا ہے اس کا مدعا علیہ کی طرف سے یہ جواب دیا گیا ہے کہ مرزا صاحب نے دوسری کتاب میں جہاں آنحضرت صلعم کے تین ہزار معجزات بتلائے ہیں۔ وہاں اپنی پیش گوئیاں سو کے قریب لکھی ہیں۔ اور آپ نے اپنے دس لاکھ ایسے نشانات بتلائے ہیں کہ اگر ویسے نشانات آنحضرت صلعم کے شمار کئے جاویں تو دستس ارب سے بھی زیادہ ہوں۔

مدعیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ چونکہ معجزہ خرق عادات ہوتا ہے اور مرزا صاحب نے اپنے نشانات کے متعلق یہ کہا ہے کہ وہ اول درجہ کے خرق عادت ہیں۔ اس لئے ان نشانات کو بھی معجزات ہی شمار کیا جائیگا۔ ہر دو فریق کے دلائل ایک بارہ میں مسل پر موجود ہیں۔ ان سے نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ صداقت کس میں ہے۔ میں ان سوالات پر اس لئے بھی زیادہ بحث کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ یہ سوالات مرزا صاحب کی اپنی ذات کے متعلق ہیں۔ اور امر ماہ النزاع سے ان کا بہت تھوڑا تعلق پایا جاتا ہے۔ اس طرح مدعا علیہ کا یہ ادعا ہے کہ مرزا صاحب نے حضرت یوسف اور حضرت آدم علیہ السلام کی بھی کوئی توہین نہیں کی۔ اس کے بعد پھر اس کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کے سلسلہ میں یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ مرزا صاحب نے جہاں عیسیٰ علیہ السلام پر اپنی فضیلت بیان کی ہے۔ وہ آنحضرت صلعم کے متبع اور امتی ہونے کی وجہ سے کیا ہے۔ اور علماء خود ملتے چلے آئے ہیں۔ کہ حضرت موسیٰ نے بھی یہ خواہش کی تھی۔ کہ وہ رسول اللہ صلعم کی امت میں سے ہوں۔ اور دوسرے مشرک اور صوفیاء کے اقوال سے یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ وہ بھی رسول اللہ صلعم کے متبع ہونے کے باعث حضرت عیسیٰ پر اپنی فضیلت ظاہر کرتے آئے ہیں۔ مگر اسے توہین نہیں سمجھا گیا۔ اور اس ضمن میں شیخ محمود الحسن صاحب کے چند اشعار جو انہوں نے مولوی شیدا احمد صاحب گنگوہی کے مرثیہ میں لکھے ہیں درج کئے جا کر یہ بحث کی گئی ہے۔ کہ ان اشعار سے انبیاء کی توہین نہیں ہوتی۔ پھر مرزا صاحب کے شمار

سے کیونکر توہین اخذ کی جاتی ہے۔

اس کا جواب سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے دیا ہے کہ جو مدعیہ اشعار ہوں وہ تحقیقی نہیں ہوتے۔ بلکہ بشری کلام میں اٹکل کے ہوتے ہیں۔ اور شاعرانہ محاورہ نئی نوع کلام کی تسلیم کیا گیا ہے۔ فرق اس میں یہ ہے کہ جو حد کی کلام ہوگی۔ تو وہ عقیدہ ہوگا۔ اور تحقیق ہوگی۔ اور وہ کسی طرح اٹکل نہ ہوگی حقیقت حال ہوگی۔ نہ کم نہ بیش۔ بشر انتہائی حقیقت کو نہیں پہنچتا۔ بخمینی لفظ کہتا ہے۔ اور دنیا نے اس کو تسلیم کیا ہے۔ کہ شاعرانہ نوع تعبیر عام اطلاق الفاظ نہیں۔ اور وہ تخمینہ پر عبارت کہہ دیتے ہیں۔ جو اس پاس ہوتی ہے۔ ٹھیک حقیقت نہیں ہوتی اور خود شاعر کی نیت میں اور ضمیر میں منوانا اس کا عالم کو منظور نہیں ہوتا۔ جھوٹے اور شاعر میں یہ فرق ہے کہ جھوٹا کوشش کرتا ہے۔ کہ میری کلام کو لوگ پسند مان لیں۔ اور شاعر کی اصلاح کے واسطے وہ اپنے ہوتا ہے۔ اور ایسے وقائع دنیا میں بھی میرے اس کلام کو حقیقت پر نہیں سمجھتے گے۔ بلکہ اگر کوئی حقیقت پر سمجھے تو دوسرے وقت وہ اس کی اصلاح کے واسطے ہوتا ہے۔ اور ایسے وقائع دنیا میں بہت پیش آچکے ہیں۔ مبالغہ شاعروں کے ہاں ہوتا ہے۔ اور یہ ایک قسم ہے کلام کی۔ جو فنون علمیت میں درج ہے۔ اور اس مبالغہ کی حقیقت یہ ہے کہ چھوٹی چیز کو بڑا اور بڑی چیز کو چھوٹا۔ بشرطیکہ نہ اعتقاد ہو اور نہ مخلوق کو منوانا ہو۔ پس اگر کوئی شخص کوئی ایسی چیز کہتا ہے کہ جس سے مغالطہ پڑتا ہے۔ نبوت کے باب میں اور وہ ساری کوشش اس میں خرچ کرتا ہے تو وہ اور جہان کا ہے اور حضرت شاعر اور جہان میں۔

چنانچہ مرزا صاحب اپنی کتاب دافع السبلاد کے صفحہ ۲۰ پر لکھتے ہیں کہ یہ باتیں شاعرانہ نہیں بلکہ واقعی ہیں۔ علاوہ ازیں سمجھ میں نہیں آتا کہ مرزا صاحب نے شاعری کا ثبوت کس طرح اختیار فرمایا۔ اور کیوں انہیں اس معاملہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفات علیہ سے بطور ظن کے حصہ نہ ملا۔ کیونکہ

حضور کے متعلق قرآن مجید کی سورہ یسین میں فرمایا گیا ہے کہ **وما علمنا المشرق
وَمَا يَدْبَعُنِي لَهُ**۔ اور سورہ شعراء میں شعراء کی مذمت کی جا کر یہ فرمایا گیا ہے کہ
الم تر انا انهم يفعلون۔ اس حکم کے تحت میں تو مرزا صاحب کے نہ صرف
وہ اقوال جو شعراء میں درج ہیں۔ بلکہ کوئی قول بھی معتبر نہیں رہتا۔

مدعیہ کے اس اعتراض کے جواب میں کہ مرزا صاحب نے حضرت مسیح کے
معجزات کو مسمریزم کی قسم سے کہا ہے۔ مدعا علیہ کی طرف سے یہ جواب
دیا گیا ہے کہ میں حضرت مسیح کے اعجازی خلق کو مانتا ہوں۔ ان اس بات کو نہیں
مانتا کہ حضرت مسیح نے خدا تعالیٰ کی طرح حقیقی طور پر کسی مردہ کو زندہ کیا۔ یا حقیقی
طور پر کسی پرندہ کو پیدا کیا۔ کیونکہ اگر حقیقی طور پر حضرت مسیح علیہ السلام کے مردہ زندہ
کرنے یا پرندے پیدا کرنے کو تسلیم کیا جاوے۔ تو اس سے خدا تعالیٰ کی خلق
اور اس کا اختیار مشتبہ ہو جائیگا۔ اور عمل ترب کے متعلق وہ اپنے ایک الہام کے حوالہ
سے یہ لکھتے ہیں۔ کہ یہ عمل الترب ہے۔ جس کی اصل حقیقت کی زمانہ حال کے لوگوں
کو کچھ خبر نہیں۔ آپ نے اس عمل کو اپنے لئے۔ اس لئے پند نہ کیا کہ اس علمی زمانہ
میں ایسے معجزات دکھائی کی ضرورت نہ تھی۔ اور حضرت مسیح کے متعلق وہ لکھتے ہیں
کہ انہوں نے اس عمل حسانی کو یہودیوں کے جسمانی اور لپت خیالات کی وجہ سے
جوان کی نظر میں مکر نہ تھے۔ باذن و حکم الہی اختیار کیا تھا۔ ورنہ انہیں بھی یہ عمل
پند نہ تھا۔

اس جواب کے متعلق بھی مزید کسی تشریح کی ضرورت نہیں۔ ہر دو فریق
کی طرف سے اس بارہ میں جو مواد پیش کیا گیا ہے وہ اوپر دکھلایا جا چکا ہے
اس سے ہر دو کے دلائل کا موازنہ کیا جاسکتا ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کے متعلق مرزا صاحب کے جو دیگر اقوال ان کی
کتاب واقع البلاء اور ضمیر انجنام اہم وغیرہ سے پیش کئے جا کر
یہ دکھلایا گیا ہے کہ ان میں بہت ہی سبب شتم درج ہے۔ ان کی

بابت مدعا علیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ ان میں عیسائی مخاطب ہیں۔ اور ان اقوال میں ان لوگوں کے اعتقادات کے مطابق جو ان کی کتابوں میں درج ہیں۔ انہیں الزامی جواب دیئے گئے ہیں اور نین مناظرہ میں اس قسم کی روش عام طور پر اختیار کی جاتی ہے۔ اور اس کی تائید میں مدعا علیہ کی طرف سے دیگر علماء کے اقوال نقل کئے گئے ہیں۔ مرزا صاحب کے ان اقوال کو اگرستیاق سابق عبارت سے ملا کر دیکھا جاوے تو مدعا علیہ کا یہ جواب حقیقت سے خالی معلوم نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں ان دشنام آمیز الفاظ کو سید اور شاہ صاحب گواہ مدعی نے اپنی شہادت میں لسلسلہ توہین عیسیٰ علیہ السلام بیان نہیں کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں موجب ارتداد مرزا صاحب میں اس قسم کی کوئی چیز پیش نہیں کرتا جس میں کہ مجھے نیت سے بحث کرنی پڑے۔ بلکہ میں نے اس چیز کو لیا ہے۔ جسے انہوں نے قرآن کی تفسیر بنایا ہے۔ اور اسے حق کہا ہے۔ اور جن چیزوں میں مجھے نیت کی تلاش رہتی وہ میں نے اپنی بحث سے خارج کر دیے ہیں اور انہیں موجب ارتداد قرار نہیں دیا۔

میں نے مرزا صاحب کی نیت پر گرفت نہیں کی زبان پر کی ہے۔ اور نہ ہی وجہ ارتداد میں تعرض کو لیا ہے۔ بلکہ جس ہجو کو انہوں نے قرآن مجید سے مستند کیا اور اسے قرآن مجید کی تفسیر گردانا۔ اور جس ہجو کو اپنی جانب سے حق کہا۔ وہ اسے وجہ ارتداد سمجھتے ہیں۔ اور اس ضمن میں انہوں نے مرزا صاحب کے حسب ذیل اقوال داخل کئے ہیں۔ مگر میرے نزدیک آپ کی یہ حرکات جائے انوس نہیں کیونکہ آپ تو گالیاں دیتے تھے۔ اور یہودی لفظ سے کسر نکال لیا کرتے تھے۔ اور کہا ہے کہ اس سے تعرض اور تصریح دونوں قسم کی توہین ظاہر ہوتی ہے۔ اور یہ کہ عیسائیوں نے آپ کے بہت سے معجزات لکھے ہیں۔ مگر حق بات یہ ہے کہ آپ سے معجزہ نہیں ہوا۔ اس سے مزیح عیسیٰ علیہ السلام کی توہین ہو سکتی ہے کیونکہ حق بات کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ یہ مرزا صاحب کے اپنے

فیصلہ کے الفاظ ہیں شاہ صاحب کی یہ رائے عین حق شناسی پر مبنی ہے۔ اور جن اقوال سے انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کا نتیجہ نکالا ہے۔ ان سے واقعی ان کی توہین افسد ہوتی ہے۔ باقی رہا کسی نبی کا دوسرے نبی سے افضل ہونیکا سوال اس کے متعلق شاہ صاحب کے بیان کے حوالہ سے ادھر جواب دیا جا چکا ہے۔

چھٹی وجہ تکفیر بیان کردہ گواہان مدعیہ کا مدعا علیہ کی طرف سے یہ جواب دیا گیا ہے کہ مرزا صاحب نے یہ کہیں نہیں لکھا کہ تمام امت محمدیہ مشرک ہے۔ بلکہ جس عبارت کا حوالہ گواہان مدعیہ کی طرف سے دیا جا کر یہ نتیجہ نکالا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ پہلے مسلمانوں سے یہ قول غلطی سے صادر ہوا ہے۔ اور وہ لوگ خدا کے نزدیک معذور ہیں کیونکہ انہوں نے عمداً غلطی نہیں کی۔ اور انہوں نے حیاتِ مسیح کے عقیدہ کو مبداً شرک یا مفرغ الی الشریک قرار دیا ہے۔ اور اس شرک عظیم کہنا باعثِ رباؤں الیہ کے ہے اور اس امر کو حق بلاغت میں مجازاً مرسل سے شمار کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں زیادہ بحث کی ضرورت نہیں۔ صرف یہ درج کیا جاتا ہے کہ حیاتِ عیسیٰ کے مسئلہ پر فرقین کو بحث کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ کیونکہ ان کی جس قسم کی حیات کے تمام مسلمان قائل ہیں۔ وہ ادراکِ انسانی سے باہر ہے۔ اس لئے اسے امر واقع کے طور پر ثابت کرنا ایک لامحالہ حاصل سعی ہے البتہ یہ ضرور ہے کہ قرآن مجید کی دوسری اس ظاہر زندگی کے علاوہ ایک اور قسم کی زندگی بھی ہے۔ جس کو انسانی فہم اور عقل احاطہ نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ شہداء کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔ کہ وہ خدا کے نزدیک زندہ ہیں۔ اور اس کے ہاں انہیں ذوقِ ملتا ہے۔

ملاحظہ ہو۔ آیت لا تحسبن الذی قتلوا..... من فضلہ پارہ ۴۔ رکوع ۱۰۰۔ سورہ آل عمران مدعیہ کی طرف سے یہ بھی کہا گیا کہ مرزا صاحب نے ایک لفظ خدیتمہ البغایا استعمال

کر کے تمام مسلمانوں کو دلدار بنا کر دیا ہے۔ اس کا جواب مدعا علیہ کی طرف سے یہ دیا گیا ہے کہ ذریعہ ابغایا کے معنی وہ نہیں جو فریق مخالف نے لئے ہیں۔ کیونکہ ان معنوں کیلئے کوئی قرنیہ موجود نہیں۔ ظاہر میں اس کے معنی ایک تو یہ ہیں کہ ہدایت سے دور اور ناشائستہ آدمی جن کی حالت یہ ہے کہ ان کے دلوں پر مہریں ہیں وہ انہیں قبول نہ کریں گے۔ یا یہ کہ وہ لوگ جو اپنے آپ کو لوگوں کا پیشوا اور امام سمجھتے ہیں۔ یعنی مولوی لوگ جو کفر کے فتوے لیس کر شہر شہر پھرتے ہیں۔ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ کیونکہ بنغایا کے معنی ہراول کے بھی ہوتے ہیں۔ نیز بنغایا یا مطلق عورتوں کو بھی کہتے ہیں۔ چاہے وہ فاجرہ ہوں۔ یا نہ ہوں۔ لیکن اس پر بھی زیادہ بحث کی ضرورت نہیں۔ اس لفظ کے استعمال اور طرز خطاب سے سمجھا جا سکتا ہے۔ کہ وہاں اس لفظ سے کیا مراد ہے۔

مرزا صاحب اپنے کلابین اور منکرین کو کافر کہنے سے مدعیہ کی طرف سے جو انہیں کافر کہا گیا ہے۔ اس کے متعلق مدعا علیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ مرزا صاحب اپنے زمانے والوں کو اس لئے کافر کہتے ہیں کہ جو شخص انہیں نہیں مانتا وہ انہیں مفری قرار دیکر نہیں مانتا۔ اس لئے ان کی تکفیر کی وجہ سے وہ خود کافر بنتا ہے۔ لیکن یہ کوئی معقول جواب نہیں۔ کیونکہ ایک شخص اگر واقعہ میں کافر ہو تو اسے کیوں کافر نہ کہا جائے۔ اس طرح تو کسی پر بھی کفر کا فتوے نہیں لگایا جا سکتا۔ کیونکہ اسے کافر کہنے والا خود کافر ہو جائے گا۔ مرزا صاحب کے بچے یا چھوٹے بیٹے ہونے کے متعلق اوپر بحث کی جا چکی ہے۔ لہذا ان دلائل کی مدد سے اگر کوئی شخص ان کو کافر کہتا ہے تو معلوم نہیں ہوتا کہ وہ خود کافر ہو کر کافر ہو جائے گا۔ اور اگر بالفرض مجال یہ دئے درست بھی ہو۔ تو پھر مرث ان لوگوں کو کافر کہنا چاہئے جو مرزا صاحب کو کاذب یا کافر کہیں جو ان کی تکذیب کرتے ہیں اور تکفیر انہیں کیوں کافر کہا جاتا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ انہیں کافر کہنے

کی یہ وجہ نہیں کہ وہ مرزا صاحب کو مفتری جان کر کافر کہتے ہیں۔ بلکہ اس کی وجہ خود مرزا
 صاحب نے اپنی کتاب فتاویٰ احمدیہ جلد اول صفحہ ۲۶۹ پر یہ بیان کی ہے
 کہ کبیر کا کوئی عمل میرے دعوے اور دلیلوں اور میسر پہ جاننے کے بغیر مفید
 نہیں ہو سکتا۔ پھر آگے اس کتاب کے صفحہ ۳۰۸ پر لکھتے ہیں کہ بہر حال
 حکم خدا تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا ہے۔ کہ ایک شخص کو جس کو میری دعوت پہنچی
 ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا۔ وہ مسلمان نہیں اور خدا کے نزدیک قابل
 مواخذہ ہے۔ ان عبارات سے صاف اخذ ہوتا ہے کہ جو شخص مرزا صاحب کو
 نہیں مانتا خواہ ان کو کافر کہے یا نہ کہے وہ مسلمان نہیں۔ اور اس کا کوئی عمل بارگاہ الہی
 میں قبول نہیں ہے۔ مدعا علیہ کے گواہان نے ریاست ہند کے لوگوں کی توجہ اپنی طرف
 مبذول کرنے اور یہ دکھانے کیلئے کہ گواہان مدعیہ نے مرزا صاحب اور ان کے
 متبعین کے خلاف فتوے تکفیر محض اپنے بغض اور عناد کی بنا پر اور اپنے ہزرگان
 کے اقتدار کا جوگہ ہونے کی وجہ سے دیا ہے۔ ورنہ دراصل مرزا صاحب فریڈیات
 دین میں سے کسی چیز کے منکر نہیں ہیں۔ حضرت خواجہ غلام فرید صاحب
 علیہ الرحمۃ کہ جن کا نہ صرف ریاست بہاول پور کا ایک حصہ مقتدا اور مرید ہے۔ بلکہ
 جن کے سیندھ۔ بلوچستان۔ اور پنجاب میں بھی بکثرت مرید پائے جاتے ہیں
 کی ایک کتاب اشارات فریدی سے یہ دکھلایا ہے کہ ان کے نزدیک مرزا صاحب
 کسی عقیدہ اہلسنت والجماعت اور فریڈیات دین میں سے کسی چیز کے منکر نہیں
 پائے جاتے۔ بلکہ آپ ان کے متعلق یہ لکھتے ہیں کہ وہ اپنے تمام اوقات خدا تعالیٰ
 کی عبادت میں گزارتے ہیں۔ اور حمایت دین پر مکرستہ ہیں۔ اور کہ علمائے
 وقت تمام مذاہب باطلہ کو چھوڑ کر اس نیک آدمی کے پیچھے پڑ گئے ہیں جو
 اہلسنت والجماعت میں سے ہے اور صراطِ مستقیم پر قائم ہے۔

اور خواجہ صاحب کی اس تحریر پر بی شریک اور لبط سے بحث کیا کہ
 یہ دکھلایا گیا ہے کہ یہ الفاظ خواجہ صاحب کے اپنے ہی ہیں۔ اور انہوں نے مرزا صاحب

کی کتابیں دیکھتے کے بعد یہ رائے قائم کی تھی۔ مدعیہ کی طرف سے بھی اس کا مفصل جواب دیا گیا ہے۔ اور یہ کہا گیا ہے کہ مرزا صاحب کی جو کتابیں خواجہ صاحب نے اس وقت تک دیکھیں تھیں۔ ان میں مرزا صاحب کا دعویٰ نبوت درج نہ تھا۔ چنانچہ مرزا صاحب کی ایک تحریر سے جو آپ کی کتاب انجام الہم صفحہ ۶۹ پر درج ہے پایا جاتا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب بھی بعد میں مرزا صاحب کے مکفر اور مکذب ہو گئے تھے۔ مرزا صاحب اس تحریر میں لکھتے ہیں۔ کہ اب ہم ان مولوی صاحبان کے نام ذیل میں لکھتے ہیں۔ کہ جن میں سے بعض تو اس عاجز کو کافر بھی کہتے ہیں اور مفتری بھی۔ اور بعض کافر کہنے سے تو سکوت اختیار کرتے ہیں۔ مگر مفتری اور کذاب اور دجال نام لکھتے ہیں۔ بہر حال یہ تمام مکفرین اور مکذبین مباہلہ کے لئے بلائے گئے ہیں۔ اور ان کے ساتھ وہ سجادہ نشین بھی ہیں۔ جو مکفر اور مکذب ہیں۔ اور اُس کے ساتھ مرزا صاحب نے ہر دو گروہوں کی فہرستیں دی ہیں۔ اس فہرست میں میاں غلام زید صاحب چشتی چاچراں علیہ السلام بہاولپور کا نام بھی درج ہے۔

فریقین کی ان بحث رائے کو مد نظر رکھتے ہوئے حسب ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کے ایک مقدس اور نیک لوگوں کے گروہ کا نام صوفیائے کرام ہے۔ ان صوفیائے کرام کو ذکر الہی عبادت اور ریاضت سے جو ذوق اور حظ حاصل ہوتا ہے۔ اس میں ان پر تجلیات الہی وارد ہوتی ہیں اور ان کے قلب کی کچھ اس قسم کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ جس سے وہ کچھ غیب کی خبروں پر مطلع ہو جاتے ہیں۔ اس کو وہ الہام یا کشف کہتے ہیں۔ اور بعض صوفیائے کرام نے اُسے مجازی طور پر وحی سے بھی تعبیر کیا ہے۔ یہ لوگ اپنے نبی کی تعلیم کے تحت عمل پیرا ہوتے ہیں۔ نبی مأمور من اللہ ہوتا ہے۔ اور اُسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے براہ راست غیب کی خبروں کی اطلاع دی جاتی رہتی ہے۔ اور اُسے حکم ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام لوگوں تک پہنچائے۔ انہیں قیامت

کے دن سے ڈرئے۔ اور آئندہ زندگی کے حالات سے مطلع کرے۔ اور جس ذریعہ سے انہیں یہ اطلاع ہوتی ہے۔ اُسے وحی کہا جاتا ہے۔ اور وحی کی یہ اصطلاح انبیاء کیلئے ہی مختص ہے۔ دوسری جگہ اگر یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ تو اس سے مجازی یا لغوی معنے لئے جاتے ہیں انبیاء کو یہ وحی تین طریق پر ہوتی ہے۔ یا تو اللہ تعالیٰ کوئی بات کسی نبی کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ یا فرشتوں میں سے کوئی قاصد بھیج کر اُس کے ذریعہ سے مطلع فرماتا ہے۔ یا پس پردہ خود کلام فرماتا ہے۔ یہ وحی چونکہ دخل شیطانی سے منزہ ہوتی ہے۔ اس لئے اُسے قطعی سمجھا جاتا ہے۔ اور اس کا نہ ماننا کفر ہے اور یار کا الہام یا کشف گو دخل شیطانی سے پاک بھی ہوتا ہم نہ وہ قطعی ہوتا ہے اور نہ ہی دوسروں پر کوئی حجت ہوتا ہے بلکہ الہام اور کشف کے ذریعہ قرآن مجید کے معارف اور اسرار سمجھاتے جاتے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں بعض اکابر صوفیائے کرام پر آیات قرآنی کا نزول بھی ہوتا ہے۔ ان آیات کو وہ اپنے اوپر چسپاں نہیں کرتے بلکہ جیسے کسی سیاح کو دوران سیاحت میں اعلیٰ مقامات دکھائے جاویں۔ اس طرح ان کو اعلیٰ مراتب روحانی کی سیر کرائی جاتی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب جب اس میدان میں گامزن ہوئے۔ اور ان پر مکاشفات کا سلسلہ جاری ہونے لگا۔ تو وہ اپنے آپ کو نہ سبجال کے اور صوفیائے کرام کی کتابوں میں وحی اور نبوت کے الفاظ موجود پا کر انہوں نے سابقہ اولیاء اللہ سے اپنا مرتبہ بلند دکھلانی کی خاطر اپنے لئے نبوت کی ایک اصطلاح تجویز فرمائی۔ جب لوگ یہ لفظ سن کر چونکنے لگے تو انہوں نے یہ کہہ کر انہیں خاموش کرنا چاہا۔ کہ تم گھبراتے کیوں ہو۔ آنحضرت صلعم کے اتباع سے جس مکالمہ اور مخاطبہ کے تم لوگ قائل ہو۔ میں اُس کی کثرت کا نام بموجب حکم الہی نبوت دکھتا ہوں۔ یہ صرف لفظی نزاع ہے۔ سو ہر شخص کو حق حاصل ہے۔ کہ وہ کوئی اصطلاح مقرر کرے۔ گویا انہوں نے نبی کے لفظ کو برعکس اس کی اصل

اور عام فہم مراد کے یہاں اصطلاحی طور پر کثرت مکالمہ اور مخاطبہ پر حاوی کیا اور
 یہ اصطلاح بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے قائم کی۔ اس کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ
 جب وہ لفظ کا استعمال کثرت سے اپنے متعلق کرنے لگے تو لوگ پھر چونکے
 اس پر انہوں نے پھر یہ کہہ کر انہیں خاموش کیا کہ میں کوئی اصلی نبی تو نہیں بلکہ
 اس معنی میں کہ میں نے تمام کمال آنحضرت صلعم کے اتباع اور فیض سے
 حاصل کیے نطفی اور بزوری نبی ہوں۔ اور اس کے بعد انہوں نے ان آیات
 قرآنی کو جو شاید کسی اچھے وقت میں ان پر نازل ہوئی تھیں اپنے ادب چسپاں
 کرنا شروع کر دیا۔ اور شدہ شدہ تشریحی نبوت کے دعوے کا اظہار کر دیا۔
 لیکن صریح آیات قرآنی اور احادیث اور اقوال بزرگان سے جب انہیں
 اس میں کامیابی نظر نہ آئی۔ تو انہوں نے اس دعوے کو ترک کر کے اپنا
 مفر زول عیسیٰ علیہ السلام کی احادیث میں جاننا شروع کیا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام
 کی وفات کو بذریعہ وحی ثابت کر کے یہ دکھلایا کہ ان احادیث کا اصل مفہوم یہ ہے
 کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت میں کسی شخص کو نبوت کا درجہ عطا کیا جائیگا۔
 نہ یہ کہ حضرت مسیح نامری واپس آئیں گے۔ مدعا علیہ کے ایک گواہ کے بیان سے
 یہ اخذ ہوتا ہے۔ اور نامعلوم اس نے بطور خود یا مرزا صاحب کی کسی تحریر
 کی رو سے یہ بیان دیا ہے۔ کہ احادیث میں جو عیسیٰ ابن مریم کے نزول کی خبر آئی
 ہے۔ اس میں رسول اللہ صلعم سے ایک اجتہادی غلطی ہو گئی ہے چنانچہ
 وہ کہتا ہے کہ بعض پیش گوئیاں ایسی ہوتی ہیں جو آئندہ زمانہ سے تعلق رکھتی
 ہیں۔ لیکن حقیقت ان کے ظہور کے وقت نمایاں ہوتی ہے۔ اور اجتہادی غلطی
 پیش گوئیوں کے سمجھنے میں یعنی کیفیت تحقق وقوع کے لحاظ سے بہر نبی
 سے ممکن ہے۔ حتیٰ کہ رسول اللہ صلعم سے بھی۔ اس کی مثال اس نے بخاری
 کی ایک حدیث کا حوالہ دیکر یہ دی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ایک روایا
 کی بناء پر یہ سمجھا کہ وہ حجر یمامہ کی طرف ہجرت فرمائیں گے۔ لیکن آپ جس وقت

مدینہ کی طرف ہجرت کر کے تشریف لگئے تو اس وقت آپ پر اس پیش گوئی
 کی حقیقت کھلی کہ اس سے مراد مدینہ تھا۔ اور کہ جب نبی سے اجتہاد ہی
 غلطی ممکن ہوئی تو پیش گوئی کے پورا ہونے کے وقت اصل حقیقت پیش گوئی کی منکشف
 ہو جائے گی۔ اور کہ امتی کو پیش گوئی کے تحقق وقوع کے وقت وقوع کا علم ہو جاتا
 ہے۔ غرض مرزا صاحب نے سابق مراحل سے گزرنے کے بعد بڑے بڑے چڑھ کر اپنے مسیح
 موعود ہونے کے دعویٰ کا اظہار شروع کر دیا۔ اور نبوت کو پھر ایک ایسا گورکھ
 دھندہ بنا دیا کہ جو نہ تو لوگوں کی سمجھ میں آسکا ہے۔ اور نہ ہی ان کے اپنے
 متبعین جیسا کہ اوپر دکھلایا جا چکا ہے۔ ان کے مرتبہ کو بخوبی سمجھ کے ہیں، بلکہ
 خود خدا کو بھی نعوذ باللہ ان کے نبی بنانے میں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا
 کیونکہ جب خداوند تعالیٰ نے یہ محسوس فرمایا کہ نعوذ باللہ اس کے صیب سے
 ایک اجتہادی غلطی ہو گئی ہے۔ اب ان کی آن رکھنے کیلئے اور مرزا صاحب
 کو نبوت کا مرتبہ عطا فرمانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے بقول مرزا صاحب پہلے تو ان
 تمام پیش گوئیوں کو جو قرآن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تھیں۔ مرزا
 صاحب کی طرف پھیر دیا۔ اور پھر انہیں کبھی مریم بنیام اور کبھی عیسیٰ اور
 اس کے بعد بارش کی طرح وحی کو کہے یہ جتلا یا کہ عیسیٰ ابن مریم فوت ہو چکے
 ہیں اب تم بلا خوف و خطبہ نبی ہونے کا دعویٰ کر دو۔ اور جہاں پہلے وہ
 فاستمع لما یوحی اور یا ایہا المدثر تم فاندز کی تحکمانہ وحی کے ذریعہ سے نبیوں کو
 چکنا کر کے اپنی طرف سے مامور فرمایا کرتا تھا۔ وہاں مرزا صاحب کیلئے
 اسے نعوذ باللہ مختلف جہل اختیار کرنے پڑے۔ مرزا صاحب کے اس طرز عمل
 سے نبی بننے سے یہ بات خود واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نبوت
 کے عہدے ختم ہو چکے تھے۔ کیونکہ اس نے پہلے تو مرزا صاحب کے لئے نبوت
 کی اصطلاح تجویز فرمائی۔ پھر وہ جب اس سے خوش نہ ہوئے تو ان کو
 نبی کا خطاب عطا فرما دیا۔ جیسا کہ نواب اور راجہ کے خطابات گورنمنٹ سے ان

لوگوں کو بھی عطا فرمائے جلتے ہیں۔ جو صاحب ریاست نہ ہوں۔ لیکن جب مرزا صاحب کی اس سے بھی تشبیہ نہ ہوئی باوجودیکہ اللہ تعالیٰ انہیں یا ولدی بھی فرما چکا تھا۔ اور اس خیال سے کہ رسول اللہ صلعم کو چونکہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں خاتم النبیین کہ چکا تھا۔ وہ بھی کسی دوسرے نبی کے بننے سے خفا نہ ہوں۔ مرزا صاحب کو آپ کا ظل بنا دیا گیا۔ اور آخر کار جب ان کی خوشی نبی بننے میں ہی دیکھی اور یہ بھی خیال آیا۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آفریادہ میں بھیجا نیکا و عسجد ہو چکا ہے۔ تو انہیں مار کر مرزا صاحب کو نبی بنا دیا گیا۔ استغفر اللہ۔

گواہ مدعا علیہ نے یہ بیان کیا ہے کہ نبی سے بھی اجتہادی غلطی ہو سکتی ہے تو پھر اس کا کیا اعتبار ہے کہ مرزا صاحب سے یہ غلطی نہ ہوئی ہوگی۔ خصوصاً جبکہ مرزا صاحب رسول اللہ صلعم کے ظل بھی ہیں۔ غیر اغلب ہے کہ صل کی فطرت ظل کی فطرت پر اثر انداز نہ ہوتی ہو۔ اور علاوہ ازیں مرزا صاحب اپنے اقرار کے مطابق آنحضرت صلعم سے زیادہ ذکی بھی نہیں پائے جاتے۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ کی کئی سال کے متواتر وحی کے بعد انہوں نے یہ جاہل سمجھا کہ وہ نبی ہو سکے۔ اس لئے ممکن ہے کہ انہوں نے وحی الہی کا مفہوم غلط سمجھ کر دعویٰ نبوت کر دیا ہو۔ مرزا صاحب کی اپنی تصریحات سے یہ پایا جاتا ہے کہ انہیں امتی ہونے کے وقت نزولِ مسیح کے متعلق وقوع کا علم نہیں ہوا۔ بلکہ جب ان کو نبوت کا خطاب مل چکا۔ اس کے بعد انہیں یہ بتلایا گیا کہ مسیح نامہری نبوت ہو چکے ہیں۔ اس لئے مدعا علیہ کے گواہ کا یہ کہنا کہ امتی کو وقوع کے وقت تحقق وقوع کا علم ہو جاتا ہے۔ مرزا صاحب کی اپنی تصریحات سے باطل ہو جاتا ہے۔ گواہ مذکور نے رسول اللہ صلعم کی جس حدیث کا حوالہ دیکر یہ کہا ہے آپ سے اجتہادی غلطی کا وقوع ممکن ہے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ نے ہجرت کے وقت کوئی غلطی فرمائی۔ گواہ مذکور کی یہ حجت اس وقت صحیح ہوتی کہ جب آپ بجائے مدینہ کے حجریمہ کی طرف تشریف لیجاتے اور پھر وہاں سے

مدینہ عالیہ کی طرف بڑھتے۔ وہاں جانے کے متعلق آپ کا صرف ایک خیال تھا۔ جو
 وقوع میں نہ آیا۔ اور اس روایہ پر عمل اس طرح ہوا جس طرح مشیتِ ایزدی میں
 تقدیر تھا۔ اور اس مثال سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ اگر نبی کو کسی طرح غلط فہمی ہو
 بھی جائے۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے فوراً رفع کر دیا جاتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا
 کہ صدیوں تک وہ غلطی چلی جائے۔ اور نہ خود نبی پر اور نہ اس کے کامل متبعین پر۔
 اس کا انشاء ہو۔ اس لیے یہ کہنا بڑی دیدہ ویری ہے کہ رسول اللہ صلعم سے
 نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کی پیش گوئی بیان کرنے میں جتنا وہی غلط ہوئی ہے۔
 معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے پھر اخیر عمر میں جا کر اپنے دعویٰ کی غلطی کو محسوس
 کیا اور پھر مصطلحی نبوت کو ہی جا کر تمام کیا۔ جس سے انہوں نے اپنے دعویٰ
 کی ابتداء شروع کی تھی۔ جیسا کہ ان کے اس خط سے جو انہوں نے وفات
 سے دو تین یوم قبل اخبار عام کے ایڈیٹر کے نام لکھا تھا۔ ظاہر ہوتا ہے اس
 میں درج ہے کہ سو میں صرف اس وجہ سے ہی کہلاتا ہوں کہ عربی اور عبرانی زبان
 میں نبی کے یہ معنی ہیں کہ خدا سے الہام پا کر بکثرت پیش گوئی کرے۔ یوں لا ان تمام
 واقعات کو مد نظر رکھتے ہوئے سیدانو رشاہ صاحب گواہ مدعیہ نے بجا طور
 یہ کہا ہے کہ مرزا صاحب کی کتابیں دیکھنے سے یہ بات پوری طورے روشن ہو جاتی
 ہے کہ ان کی ساری تصانیف میں صرف چند ہی مسائل کا تکرار اور دہرا ہے
 ایک ہی مسئلہ اور ایک ہی مضمون کو بیسوں کتابوں میں مختلف عنوانوں سے ذکر
 کیا ہے۔ اور پھر سب اقوال میں اس قدر تباہت اور تعارض پایا جاتا ہے۔
 اور خود مرزا صاحب کی ایسی پریشان خیالی ہے۔ اور بالخصوص ایسی روش اختیار
 کی ہے۔ کہ جس سے نتیجہ گڑبڑ ہے اور ان کو بوقت ضرورت مخلصی اور مفراتی ہے چنانچہ
 کہیں وہ تو حتم نبوت کے عقیدہ کو اپنے مشہور اور اجتماعی معنی کیساتھ قطعاً اور
 اجتماعی عقیدہ کہتے ہیں۔ اور کہیں ایسے عقیدہ بتلانے والے مذہب کو لعنتی اور شیطانی
 مذہب قرار دیتے ہیں۔ کہیں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کو تمام امت محمدیہ کے عقیدہ

کے موافق متواترات دین میں داخل کرتے ہیں۔ اور اس پر اجماع ہونا نقل کرتے
 ہیں۔ اور کہیں اس عقیدہ کو مشرکاً نہ عقیدہ بتلاستے ہیں۔
 ختم نبوت کا عقیدہ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ اسلام
 کے اہم اور بنیادی مسائل میں سے ہے اور خاتم النبیین کے جو معنی مدعا علیہ
 کی طرف سے بیان کئے گئے ہیں۔ آیات قرآنی اور عادیث صحیحہ سے اس کی
 تائید نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کے صحیح معنی وہی ہیں جو گواہان مدعیہ نے بیان کئے
 ہیں۔ مدعا علیہ کی طرف سے اس ضمن میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ حدیث ہے کہ قرآن شریف
 کی ہر آیت کے ایک ظاہری معنی ہیں اور ایک باطنی اور کتاویل کرنے والے کو کافر
 نہیں سمجھا گیا۔ اس کا جواب سید انور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے یہ دیا ہے کہ
 یہ حدیث قوی نہیں۔ اور باوجود قوی ہونے کے اس کی مراد میرے
 نزدیک صحیح ہے۔ اس حدیث میں لفظ لطن سے تو جو کچھ رسول اللہ صلعم کے دل
 میں تھا۔ وہ سب منکشف نہیں ہے۔ مجلاً ہم سمجھتے ہیں کہ قرآن کی مراد وہ
 ہے کہ قواعد لغت اور عربیت سے اور اول شریعت سے علماء شریعت سمجھ
 لیں۔ اور اس کے تحت میں قسمیں ہیں اور لطن سے یہ مراد ہے کہ حق تعالیٰ اپنے
 امت زبندوں کو ان حقائق سے سرشار کر دے۔ اور بہتوں سے وہ
 خفی رہ جائیں لیکن ایسا کوئی لطن جو مخالف ظاہر کے ہو۔ اور قواعد شریعت رد
 کرنے ہو۔ مقبول نہ ہوگا۔ اور رد کیا جائے گا۔ اور بعض اوقات باطنیت اور الحاد
 کی حد تک پہنچا دینا۔ حاصل یہ ہے کہ ہم مکلف فرما بنو دار بند سے
 اپنے مقصد کے موافق ظاہر کی خدمت کریں۔ اور لطن کو سپرد کردیں
 خدا کے تاویل کے متعلق ان کا یہ جواب ہے کہ اجار عادی کی تاویل اگر کوئی شخص قواعد
 کے مطابق کرے۔ تو اس کے قائل کو بدعتی نہیں کہیں گے۔ اگر قواعد کی رو سے
 صحیح نہیں تو وہ حاطی ہے۔ آیات قرآنی متواتر ہیں۔ اور قرآن حدیث جو نبی
 کیم سے ہم تک پہنچا اس کی دو جانبیں ہیں۔ ایک ثبوت کی۔ دوسری دلالت کی۔

ثبوت قرآن کا متواتر ہے۔ اس کو اتر کا اگر کوئی انکار کرے۔ تو پھر قرآن کے ثبوت کی اس کے پاس کوئی صورت نہیں۔ اور ایسا ہی جو شخص تواتر کی صحت کا انکار کرے۔ اس نے دین ڈھا دیا۔ دوسری جانب دلالت ہے جس کا معنی یہ ہے۔ کہ مطلب پر رہنمائی کرنا۔ دلالت قرآن کی کبھی قطعی ہوتی ہے اور کبھی ظنی۔ اگر اجماع ہو جائے صحابہ کا اس کی دلالت پر یا کوئی اور دلیل عقلی یا نقلی قائم ہو جائے۔ کہ مدلول یہی ہے۔ تو پھر وہ دلالت بھی قطعی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ قرآن سارا بسم اللہ سے لیکر والناس تک قطعی الثبوت ہے۔ دلالت میں کہیں ظنیت ہے اور کہیں قطعیت لیکن قرآن کے معنی سے دلالت بھی قطعی ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں تاویل اور نوآوری میں ہو سکتی ہے اخبار میں نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ مدعیہ کے گواہ مولوی محمد الہی صاحب نے بیان کیا ہے۔ اس بحث سے یہ انداز ہوتا ہے کہ آیت خاتم النبیین قطعی الدلالت ہے۔ اور اس کے لفظ کے معنی ایسے نہیں ہو سکتے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین یعنی آخری نبی سمجھنے کے متنافی ہوں۔ اور چونکہ یہ جماعی عقیدہ ہے۔ اس لیے مذکورہ بالا معنی سے انکار کئے اور مدعا علیہ کی طرف سے جو یہ کہا گیا ہے کہ تاویل کر نیو لے کو کافر نہیں سمجھا گیا۔ اور جن مسائل کی بناء پر اس نے ایسا کہا ہے۔ وہ اس قبیل کے نہیں۔ جیسا کہ مسئلہ ختم نبوت۔ لہذا یہ قرآن دیا جاتا ہے۔ کہ خاتم النبیین کے جو معنی مدعیہ کی طرف سے کئے گئے ہیں۔ اور اس معنی کے تحت جو عقیدہ ظاہر کیا گیا ہے۔ اس عقیدہ سے انحراف و اختلاف کی حد تک پہنچتا ہے۔ اور کہ آنحضرت کے بعد عہد نبوت اور دوسری نبوت منقطع ہو چکے ہیں۔ مرزا صاحب صحیح اسلامی عقائد کی رو سے نبی نہیں ہو سکتے۔ اور ان کے نبی نہ ہونے کی تائید میں ایک یہ امر بھی ہے۔ کہ ان کے متبعین میں سے ایک گروہ جو لاہودی کہلاتے ہیں۔ انہیں نبی تسلیم نہیں کرتے۔ لہذا ان کے مخالف جگہز توں کے نزدیک اور ان کے ایک موافق فرقہ کی رائے میں رسول اللہ

صلعم کا خاتم النبیین یعنی آخری نبی ہونا ثابت ہے۔ اس لئے مرزا صاحب کی نبوت کا دعویٰ کسی حالت میں بھی درست نہیں بظنی اور بروزی نبی اگر آنحضرت صلعم کے کمال اتباع سے ہونے ممکن ہوتے تو اس قسم کے نبی مرزا صاحب کے آئیے قبل کئی آچکے ہوتے۔ علاوہ ازیں مرزا صاحب کو درجہ کمال بھی اس وقت حاصل ہو سکتا تھا کہ اس قسم کے اور کئی نبی پیدا ہو چکے ہوتے۔ کیونکہ ہر جنس کا کمال اس بات کو مستلزم ہے کہ اس کے اور ناقص افراد موجود ہوں۔ چنانچہ رسول اللہ صلعم بھی اسی لئے افضل الانبیاء ہیں کہ سلسلہ رسالت اور نبوت میں دیگر انبیاء منک ہیں۔ مرزا صاحب نے اپنے آپ کو خاتم الاولیاء رفاہر کر کے یہ بیان کیا ہے کہ وہ ولایت ختم کر چکے۔ لیکن اس سے وہ ولی ہی شمار ہوں گے۔ نبی نہیں سمجھے جائیں گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے افاضہ و رحمانی سے اگر نبوت مل سکتی ہے۔ تو ضرور ہے کہ ان سے قبل ایسے نبی آتے کہ جن کے بعد انہیں درجہ کمال حاصل ہوتا۔ مدعیہ کی طرف سے یہ درست کہا گیا ہے کہ ظلی اور بروزی کی اصطلاحیں دراصل الفاظ ہی الفاظ ہیں ورنہ دراصل مرزا صاحب کی مراد اس سے اصل نبوت سے جیسا کہ اس کی تشریح بعد میں ان کے خلیفہ ثانی نے کی کچھ شک نہیں کہ یہ الفاظ مغالطہ پیدا کرنے کیلئے استعمال کئے گئے ہیں۔ ورنہ ان کی کوئی حقیقت نہیں اور نہ ہی شرع میں اس قسم کے الفاظ پر کسی عقیدہ کا حصہ ہے۔ مرزا صاحب نے یہ بیان کر کے کہ اس قسم کی نبوت قیامت تک جاسی ہے۔ اسلام میں ایک نکتہ کی بناء ڈالی ہے اور ناممکن نہیں کہ ان کے بعد کوئی اور شخص دعویٰ نبوت کرے۔ ان کی گواہی کو بھی پیامت کرے۔ اس طرح مذہب سے امان اٹھ جائیگی۔ اور مولیٰ اس کے کردہ ایک کھیل اور مسخر بن جائے۔ اس کی کوئی حقیقت بحیثیت دین کے قائم نہ رہے گی۔ اس لئے بھی رسول اللہ صلعم کا آخری نبی ماننا علاوہ عقائد صحیحہ میں سے ہونے کے از بس ضروری ہے۔ مرزا صاحب رسول اللہ

صلعم کو آخری نبی نہیں مانتے۔ اس لئے ان کا اسلام کے اس بنیادی مسئلہ
 سے انکار کفر کی حد تک پہنچتا ہے۔ اس کے علاوہ ان کے دیگر عقائد بھی ان عقائد
 کے مطابق نہیں پائے جاتے۔ جس کی آج تک امت مرحومہ پابند چلی آئی ہے
 خدا کا تصور اس نے تیندوے سے تشبیہ دیکر ایسا پیش کیا ہے کہ جو سر اسر
 نص قرآنی کے خلاف ہے۔ اور سیطرچ یہ بیان کر کے کہ خدا خطا بھی کرتا ہے
 اور صواب بھی۔ اور روزے رکھتا ہے۔ اور نماز پڑھتا ہے۔ انہوں نے ایک ایسے
 عقیدہ کا اظہار کیا ہے۔ کہ جو سر اسر نصوں قرآنی کے خلاف ہے۔ انہوں نے آیات
 قرآنی کو اپنے اوپر چسپاں کیا ہے۔ جیسا کہ ایک آیت هو الذی ارسل رسولہ
 الخ کے متعلق انہوں نے یہ کہا کہ اس میں میرا ذکر
 ہے۔ اور دوسرے الہام بالفاظ محمد رسول اللہ بیان کر کے یہ کہا کہ اس میں میرا
 نام محمد رکھا گیا ہے۔ اور رسول بھی۔ اس طرح اور کئی ایسی تصریحیں ہیں
 جن سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ وہ آیات قرآنی کو اپنے اوپر چسپاں کرتے تھے
 اس سے بھی رسول اللہ صلعم کی توہین کا نتیجہ درست اخذ کیا گیا۔ اس طرح
 ان کے بعض اقوال سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بھی توہین ظاہر ہوتی ہے۔
 اور حضرت مریم کی شان میں مرزا صاحب نے جو کچھ کہا ہے۔ اور جس کا حوالہ شیخ ابجا
 صاحب گواہ مدعیہ کے بیان میں ہے۔ اور جس کا مدعا علیہ کی طرف سے کوئی جواب
 نہیں دیا گیا۔ اس سے قرآن شریف کی صریح آیات کی تکذیب ہوتی ہے۔ یہ تمام
 امور ایسے ہیں کہ جن سے سولے مرزا صاحب کو کارفرما دینے کے اور کوئی نتیجہ
 اخذ نہیں ہوتا۔ مدعا علیہ کی طرف سے مرزا صاحب کی بعض کتب کے حوالے
 دیئے جا کر یہ کہا گیا ہے کہ مرزا صاحب نے کسی نبی کی توہین نہیں کی۔ اس کا
 جواب تیسرا اور شاہ صاحب گواہ مدعیہ نے خوب دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب
 ایک جگہ کلمات توہین ثابت ہو گئے تو اگر ہزار جگہ کلمات مدعیہ رکھے ہوں اور
 تیار خوانی بھی کی ہو۔ تو وہ کلمے نجات نہیں دلا سکتے۔ جیسا کہ تمام دنیا اور دین

کے قواعد مسلمہ اس پر شاید ہیں۔ کہ اگر ایک شخص تمام عمر کسی کا اتباع اور طاعت گزاری کرے۔ اور مدد و ثناء کرتا رہے۔ لیکن کبھی کبھی اس کی سخت ترین توہین بھی کرے۔ تو کوئی انسان اس کو مطلع اور معتقد واقعی نہیں کہہ سکتا۔

مدعا علیہ کی طرف سے دیگر صوفیائے کرام کے بعض ایسے اقوال جو مرزا صاحب کے بعض اقوال کے مشابہ ہیں بیان کئے جا کر یہ کہا گیا ہے۔ کہ ان اقوال کی بناء پر پھر ان بزرگان کو کیونکر مسلمان سمجھا جاتا ہے۔ اس کا جواب بالفاظ سید نور شاہ صاحب گواہ مدعہ درج کیا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے ادبیاء اللہ کو ان کی طہارت، تقویٰ اور تقدس کی خبریں سُن کر اور ان کے شواہد افعال و اعمال اور اخلاق سے تائید پا کر وہی مقبول تسلیم کر لیا ہے۔ اور قرآن اور نشانیوں سے جو خارج مبعوث عدت ہوں یعنی انہی شیطیات سے ان کی ولایت ثابت نہ کرنی ہو۔ بلکہ ولایت ان کی خارج سے پایہ ثبوت کو پہنچتی ہو۔ جو طریقہ ثبوت کا ہے۔ اس کے بعد کہ ہم نے کسی کی ولایت تسلیم کی۔ اور ہم اس تسلیم میں صواب پر تھے۔ تو اس کے بعد اگر کوئی کلمہ معاصر یا موم ہمارے سامنے پڑتا ہے۔ تو ہم اس کی کوشش کرتے ہیں۔ کہ اس کی توجیہ کریں۔ اور عمل نکالیں اور یہ کہ اس کا ٹھکانہ کیا ہے۔ شیطیات کو ہی پہلے پیش کرنا اور اس پر وہیت کا جھگٹ جمانا ناہم اور جال کا کام ہے۔ کسی شخص کی راستبازی اگر جداگانہ تجاربے اور جو طریقہ راستبازی ثابت کرنے کا ہے۔ ثابت ہوتی ہو۔ تو پھر اگر کوئی کلمہ موم اور مغالطہ میں ڈالنے والا اس کا سامنے آ گیا۔ تو منصف طبیعتوں کے ذہن اس کی توجیہ کریں گے۔ اور عمل نکالیں گے۔ یہ عاقل کا کام نہیں ہے۔ کہ راستبازی کسی کی ثابت ہو تیسے پیشروہی کلمات مغالطہ پیش کر کے مسلمہ الثبوت مقولوں پر قیاس کرے۔ اور کہے کہ فلاں نے ایسا کیا۔ فلاں نے ایسا کیا۔ اس کا جواب مختصر یہ ہو گا۔ کہ فلاں کی راستبازی حسبِ راجحہ اگر ہمیں کسی طریقہ اور دلیل سے معلوم ہے۔ تو ہم محتاج توجیہ ہوں گے۔ اور اگر ذریعہ بحث یہی کلمات ہیں اور اس سے پیشتر کچھ سامان خیر کا ہے۔ ہی نہیں۔ تو ہم یہ کھوٹی پونجی

اُس کے منہ پر ماریں گے۔

مدعا علیہ کی طرف سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ علماء نے یہ کہا ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں اور کہ جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہے اس کو بھی کافر کہنا درست نہیں وغیرہ وغیرہ ان شبہات کا جواب بھی شامہ صاحب گواہ مدعیہ نے خود دیا ہے۔ جو انہیں کے الفاظ میں درج کیا جاتا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ بات کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں بے علمی اور ناواقفیت پر مبنی ہے۔ کیونکہ حسب تصریح و اتفاق علماء اہل قبلہ کے یہ معتقے نہیں۔ کہ جو قبلہ کی طرف منہ کرے۔ وہ مسلمان ہے۔ چاہے سارے عقائد اسلام کا انکار ہی کرے۔ قرآن مجید میں منافقین کو عام کفار سے زیادہ تر کافر ٹھہرایا گیا ہے۔ حالانکہ وہ فقط قبلہ ہی کی طرف منہ ہی نہیں کرتے تھے۔ بلکہ تمام ظاہری احکام اسلام ادا کرتے تھے۔ اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے کہ اتفاق کیا ضروریات دین پر۔ اور یہ جو مسئلہ ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر نہیں اس کی مراد یہ ہے کہ کافر نہیں ہوگا۔ جب تک کہ نشانی کفر کی اور علامتیں کفر کی اور کوئی چیز موجبات کفر میں سے نہ پائی گئی ہو۔

دوسرا شبہ یہ کہ یہ کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ نماز۔ روزہ۔ حج اور زکوٰۃ تمام ارکان اسلام کے پابند اور تبلیغ اسلام میں کوشش کر رہے ہیں۔ پھر ان کو کیسے کافر کہا جائے۔

اس کے جواب میں انہوں نے ایک حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ یہ قوم جس کے متعلق آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ دین اسلام سے صاف نکل جائے گی۔ اور ان کے قتل کرنے میں بڑا ثواب ہے یہ لوگ نماز روزے کے پابند ہوں گے۔ بلکہ ظاہری خشوع اور حضور کی کیفیات بھی ایسی ہوں گی کہ ان کے نماز روزے کے مقابلے میں مسلمان اپنے روزے کو بھی پیچ سمجھیں گے۔ لیکن اس کے باوجود جبکہ بعض ضروریات دین کا انکار ان سے ثابت ہوا۔ تو ان کی نماز روزہ وغیرہ ان کو حکم کفر سے رہانہ کر سکتی۔

تیسرا شبہ یہ ہے کہ یہ کہا جاتا ہے کہ فقہائے نے ایسے شخص کو مسلمان ہی کہا ہے جسکی کلام میں ۹۹ وجہ کفر کی موجود ہو۔ اور صرف ایک وجہ اسلام کی اس کا جواب یہ ہے۔

کہ اس کا منشاء بھی یہی ہے کہ فقہاء کے بعض الفاظ دیکھ لئے گئے اور اس کے معنی سمجھنے کی کوشش نہ کی گئی۔ اور ان کے اقوال دیکھے جن میں صراحتاً بیان کیا گیا ہے کہ چسکم اپنے عموم پر نہیں ہے۔ بلکہ اس وقت ہے جبکہ قائل کا صرف ایک کلام مفتی کے سامنے آئے۔ اور قائل کا کوئی دوسرا حال معلوم نہ ہو۔ اور نہ اس کے کلام میں کوئی ایسی تصریح ہو جس سے معنی کفر متعین ہو جائے تو ایسی حالت میں مفتی کا فرض ہے کہ معاملہ تکفیر میں احتیاط برتے۔ اور اگر کوئی حنفی سے حنفیہ احتمال ایسا نکل سکے جس کی بنا پر یہ کلام کلمہ کفر پر ہی جلتے۔ تو اس احتمال کو اختیار کرے۔ اور اس شخص کو کافر نہ کہے لیکن اگر ایک شخص کا یہی کلمہ کفر اس کی سنکڑوں تحریرات میں لعنات و الفاظ مختلفہ موجود ہو۔ جس کو دیکھ کر یہ یقین ہو جائے کہ یہی معنی۔ معنی کفری مراد لیتا ہے۔ یا خود اپنے کلام میں معنی کفری کی تصریح کرے۔ تو باجماع فقہاء اس کو ہرگز مسلمان نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ قطعی طور پر ایسے شخص پر کفر کا حکم لگایا جائے گا۔

چوتھا شبہ یہ ہے کہ اگر کوئی کلمہ کفر کسی تاویل کیساتھ کہا جائے۔ تو کفر کا حکم نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں بھی وہی تصریحات فقہاء سے ناواقفیت کا رکن ہے۔ حضرات فقہائے اہل سنت کی تصریحات موجود ہیں کہ تاویل اس کلام اور اس چیز میں مانع تکفیر ہوتی ہے۔ جو ضروریات دین میں سے نہ ہو۔ لیکن ضروریات دین میں اگر کوئی تاویل کرے اور اجماعی عقیدہ کے خلاف کوئی تاویل کرے تو بلاشبہ اس کو کافر کہا جائے گا۔ اسے قرآن مجید نے الحاد اور حدیث نے اس کا نام زندیقی رکھا ہے۔ زندیق اسے کہتے ہیں جو مذہبی لٹریچر بدلے یعنی الفاظ کی حقیقت بدل دے۔ مرزا صاحب نے جیسا کہ اوپر دکھلایا جا چکا ہے بہت سے اسلامی عقائد

کے صحائف بدل دیئے ہیں۔ گوان کے الفاظ وہی رہنے دیئے ہیں۔ اس لئے ان کو حسب تصریحات مذکورہ بالا کافر ہی قرار دینا پڑے گا۔ اور ان عقائد کے تحت ان کا اتباع کرنے والا بھی اسی طرح ہی کافر سمجھا جائے گا۔

مدعا علیہ کی طرف سے گوان کی مدعیہ پر ایک یہ اعتراض بھی وارد کیا گیا ہے کہ وہ دیوبندی عقائد سے تعلق رکھنے والے ہیں اور علمائے دیوبند کے خلاف فتوے تکفیر شائع ہو چکے ہیں۔ اس لئے ایک شخص جو خود کافر ہو وہ کس طرح دوسرے کے متعلق کفر کا فتوے دے سکتا ہے۔ اس کا جواب مدعیہ کی طرف سے ایک تو یہ دیا گیا ہے کہ اس کے تمام گوان دیوبندی صاحبان نہیں ہیں۔ مثلاً شیخ الجامعہ صاحب۔ مولانا محمد حسین صاحب اور مولوی نجم الدین صاحب۔ دوسرا دیوبندی صاحبان کے خلاف فتویٰ تکفیر ایک غلط فہمی کی بنا پر دیا گیا تھا۔ جو بعد میں واپس لیا جا چکا ہے۔ اگر یہ صحیح نہ بھی ہو تو بھی مدعا علیہ کی حجت اس بنا پر صحیح نہیں۔ کہ ان کی رائے کو بطور فتوے قبول نہیں کیا گیا۔ بلکہ ان کی پیش کردہ دلائل پر مدعا علیہ کے پیش کردہ دلائل کے مقابلہ میں تنقید کی جا کر رائے قائم کی گئی ہے۔ اس لئے چاہے وہ کسی فرقے سے تعلق رکھنے والے ہوں۔ ان کی ذاتی رائے پر کوئی عمل نہیں کیا گیا۔ بلکہ دیکھا گیا ہے کہ قرآن شریف اور احادیث کی رو سے کس فریق کے دلائل صحیح ہیں اور کس کے غلط۔ اس لئے ان کے خلاف اگر کوئی فتوے تکفیر ہو بھی تو اس معاملہ پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔

اس کے علاوہ مدعا علیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ مدعا علیہ نے اپنی فیصلہ میں یہ قرار دیا تھا کہ اس سوال کو عقائد قادیانی سے ارتداد واقع ہوتا ہے۔ یا نہ علماء اسلام ہی بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں۔ لہذا علمائے اسلام کی تحقیق کے لئے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ جن لوگوں نے اس مقدمہ میں شہادتیں دی ہیں۔ اور اس پر فتوے کفر لگایا ہے۔ وہ خود بھی مسلمان ہیں یا نہ۔ اور اس طرح فیصلہ کرنے والے کا مسلمان ثابت ہونا بھی ضروری ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر دو فریق کا

اور ہے کہ وہ مذہب اسلام سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن چند اسم اور بنیادی مسائل کے متعلق ہر دو کا اختلاف ہے۔ اور وہ ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں۔ لہذا اس بارہ میں عام دنیاوی اصول کے مطابق رائے اس فرقہ کی غالب سمجھی جائے گی۔ جس میں اکثریت ہو۔ یہ اکثریت بحق مدعیہ پائی جاتی ہے۔ اس لیے فریق مدعیہ کی رائے ہی غالب رہے گی۔ اور اُسے مسلمان اور اقلیت کو کافر سمجھا جائے گا۔ لہذا اس زارداد کے تحت مدعیہ کے کسی گواہ کے خارجی طور پر مسلمان ثابت کئے جانے کی ضرورت نہیں اور فیصلہ کنندہ بھی اس ذیل میں مسلمان شمار ہوگا۔ علاوہ ازیں مدعا علیہ نے اپنی بحث میں جب مدراس ہائی کورٹ کے فیصلہ کو شرعاً درست تسلیم کر کے اپنے اُدھر حجت مان لیا ہے۔ تو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ کہ شرعاً عدالت ہذا کا فیصلہ اس پر حجت نہ ہو سکے۔

گواہان مدعیہ پر مدعا علیہ کی طرف سے کنایتہ اور بھی کسی ذاتی حملے کئے گئے ہیں مثلاً انہیں علماء رسوا کہا گیا۔ اور یہ کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی ایسے مولویوں کو جو ذریتہ البغایہ میں مخاطب ہیں۔ بند را اور سورہ کافعب دیا ہے۔ اور دوسری حدیث میں فرمایا ہے کہ وہ آسمان کے نیچے سے ہڈر مخلوق ہوں گے۔ لیکن ملاحظہ مثل سے ہر عقلمند آدمی اندازہ لگا سکتا ہے کہ طریفین کے علماء میں سے ان احادیث کا صحیح مصداق کون ہیں۔

مرزا صاحب کے دعوئے نبوت کے سلسلہ میں ایک اور مسئلہ پر بھی مختصر بحث کی ضرورت ہے۔ وہ یہ کہ مرزا صاحب اپنے آپ کو اس لیے بھی نبی سمجھتے ہیں کہ انہیں مسیح موعود ہونے کا بھی دعوئے ہے۔ اور مسیح موعود کو چونکہ احادیث میں نبی اللہ کہا گیا ہے۔ اس لیے مرزا صاحب نبی اللہ ہونے۔ اس کے متعلق جیسا کہ اوپر دکھلایا گیا ہے مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ مسیح موعود حضرت عیسیٰ ابن مریم ہی ہیں۔ اور آخر زمانہ میں وہی آسمان سے نزول فرمائیں گے اور وہ چونکہ پہلے سے نبی اللہ ہی۔ اس لیے پھر بھی نبی اللہ ہوں گے۔ مگر وہ عمل مندرجہ

محمد پر کوئی کے۔ اپنی شریعت پر نہیں چلیں گے۔ اس کی مثال مدعیہ کی طرف سے
 یہ دیکھی ہے۔ کہ جبے کسی دوسرے علاقہ کا گورنر کسی دوسرے گورنر کے علاقہ
 میں چلا جائے۔ تو وہاں اپنے عہدہ کے لحاظ سے گورنر شمار ہوگا۔ لیکن دوسرے
 گورنر کے علاقہ میں وہ اس گورنر کی حکومت کے تابع ہو کر رہے گا۔ اپنے علاقہ
 کے قوانین یا آئین پر عمل پیرا نہیں ہو سکے گا۔ اس لئے رسول اللہ صلعم چونکہ
 قیامت تک کے لوگوں کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔ اس لئے قیامت تک آپ
 کی شریعت ہی نافذ رہے گی۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس شریعت کے تحت عمل
 پیرا ہوں گے۔

اس مثال سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا امتی بنی ہونا تو واضح ہو جاتا ہے لیکن
 اہل کفر کے تعلیم یافتہ لوگوں کو نزول مسیح کا عقیدہ بہت عجب معلوم ہوتا ہے۔ اور ان کے
 ذہن اس بات کو قبول نہیں کرتے۔ کہ کس طرح ایک شخص کسی ہزار سال کے بعد دنیا
 میں واپس آسکتا ہے۔ شک نہیں کہ علوم جدیدہ کی روشنی میں یہ مسئلہ بہت
 کچھ قابل اعتراض معلوم ہوتا ہے۔ اور جیسا کہ مولانا محمد علی صاحب اپنی کتاب
 دین و آئین میں لکھتے ہیں۔ اس قسم کے اعتراضات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے
 جواب دینے والے بالعموم یہ روش اختیار کرتے ہیں کہ جن قباحتوں کے چہرہ پر موجودہ
 مسلمات کا روغن قاذل دیا جاتا ہے۔ ان کو قباحت سمجھنے کے سوا کوئی چارہ کار
 نہیں دیکھتے اور جس جگہ کیسا تھ فلسفہ اور سائنس کا لغت سارہ بجا ہوا سن پاتے
 ہیں اپنے سوشل و سوسائٹس کو اس کے مقابلہ پر قائم رکھنے کی جرات نہیں کرتے
 اور ایک مجرم کی طرح اپنی بریت کی یہی صورت دیکھتے ہیں۔ کہ اپنے فعل کو دیریا
 کیسا تھ حق بجانب ثابت کرنے کی بجائے ہاتھ جوڑ کر اس کے ادب کا بے انکار
 کہیں۔ اور مذہب کی حمایت میں صرف یہ لیکر دامن چھڑائیں۔ کہ جس مسئلہ پر اعتراض
 ہے وہ اسلامی اصول میں داخل نہیں۔ مولانا موصوف آگے لکھتے ہیں ایسے اعتراضوں
 کے ایسے جواب اہل فتنہ میں داخل ہیں۔ اور جواب دینے والے کو بالیقین کر لیتے

ہیں کہ تہذیب جدید جس امر پر قبیح ہونیکا فتوے صادر کرتی ہے۔ اس میں کوئی حسن باقی نہ رہا ہوگا۔ ان کا بس چلتا ہے تو قرآن اور حدیث پر۔ ان دونوں سے جس طرح بن پڑتا ہے۔ ردی پانے کی سبیل نکال لیتے ہیں۔ اپنے ذاتی خیالات کو اسلام اور ایسے اعتراضوں سے پاک تصور کر لیتے ہیں۔

مسئلہ نزول مسیح بھی اسی قبیل کا ہے۔ کہ جس پر اس قسم کے اعتراض وارد کئے جاتے ہیں۔ لیکن جو شخص قرآن پر اعتقاد رکھتا ہے۔ اسے اس پر یقین رکھنے میں کوئی تردد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قرآن مجید میں ایک شخص کو سو سال کے بعد زندہ کر نیکا واقعہ موجود ہے۔ اس طرح اصحاب کھف تین سو سال سے زائد عرصہ تک غار میں بحالت خواب پڑے رہے۔ اس لیے وہ امور اگر ذات باری کیلئے ناممکنات میں سے نہ تھے۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ دنیا میں بھیجا بھی اس کے آگے کوئی مشکل نہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش جس طرح غیر معمولی طریق پر ہوئی۔ اس طرح ان کے نزول کو بھی غیر معمولی طریق پر وقوع میں آنا تصور کیا جاسکتا ہے۔ باقی رہا اس پیش گوئی کی صداقت کا سوال سو اس کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ اگر یہ پیش گوئی صحیح نہوتی تو مرزا صاحب نے جہاں کئی دیگر متواترات کا انکار کیا تھا۔ وہاں اس کا بھی انکار فرماتے۔ لیکن وہ بھی اس کا صحت سے انکار نہیں کر سکے اور اس کی ممکن سے ممکن جو بھی تاویل ہو سکتی تھی۔ وہ بیان کرنے میں انہوں نے کوئی دریغ نہیں کیا۔ لیکن اوپر کی بحث سے پایا جاتا ہے کہ قرآن و احادیث کی رو سے وہ تاویل درست ثابت نہیں ہوئی۔ اور سوائے اس کے کہ یہی عقیدہ رکھا جائے کہ اس پیش گوئی کی رو سے حضرت عیسیٰ ابن مریم ہی دنیا میں واپس تشریف لادیں گے۔ اس کا اور کوئی حل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان کے سوا آنحضرت صلیم کے بعد کوئی نیسا بنی نہیں ہو سکتا اس لیے اس عقیدہ کو اگر قائم رکھا جائے۔ تو جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت زندہ ہونگے۔

انہیں خود اس پیشگوئی کی تصدیق ہو جائے گی۔ اور جو اس سے قبل فوت ہوں گے خداوند تعالیٰ ان کے ساتھ وہی معاملہ فرمائے گا۔ کہ جو ان سے قبل اس عقیدہ پر وفات پاتے ہے۔ البتہ اس عقیدہ کو چھوڑنے والا ضرور گنہگار ہوگا۔ کیونکہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان کا مذبذب سمجھا جائے گا۔

باقی رہا یہ سوال کہ آیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ فرمایا بھی ہے یا نہ۔ کیونکہ شکی طبیعتیں یہ کہہ سکتی ہیں کہ احادیث کی تدوین چونکہ بہت مدت کے بعد ہوئی اس لئے کیونکہ پورے اطمینان سے یہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ راویوں کو احادیث کے پورے الفاظ یاد رہے ہیں۔ یا یہ کہ ان الفاظ سے رسول اللہ صلیم کی مراد وہی تھی جو کہ ان راویوں نے سمجھی۔ اس کا جواب تو علماء ہی بہتر دے سکتے ہیں۔ میرے نزدیک اس کا موٹا جواب یہ ہے۔ کہ اگر یہ حدیث ہو صحیح۔ اور ہم نے اس کا عقیدہ دیا پھوڑا۔ تو قیامت کے دن ہم جوابدہ ہوں گے۔ اور اگر یہ حدیث صحیح نہ بھی ہو تو اس پر محض ایک عقیدہ رکھنے سے جو قرآن کے کسی صورت میں بھی مخالف نہیں پایا جاتا۔ ہمارا کیا بگڑتا ہے۔ لہذا بہر حال ہمیں اس پر عقیدہ رکھنا لازمی ہے۔

مدعا علیہ کی طرف سے ایک یہ مغالطہ پیدا کر نیکی کوشش کی گئی ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نرہ دل مانا جاتے۔ تو اس سے یہ سمجھا جائیگا کہ رسول اللہ صلیم کی اُمت میں سے ایسا کوئی شخص اہلیت نہ رکھتا تھا کہ اُسے لوگوں کی اصلاح کے لئے مامور فرمایا جاتا اور اس سے اُمت کی توبہ میں لازم آئیگی۔

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے کسی شخص کا مامور ہونا اس کے کسی استحقاق کی بنا پر نہیں ہوتا۔ دوسرا احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت اُمت کی حالت بہت ابتر ہوگی۔

اس لئے ممکن ہے کہ اس وقت تک کوئی بھی اس فرض کے سرانجام
 دینے کا اہل نہ پایا جاوے۔ اس لئے مخلوق کی اصلاح کیلئے سابقہ انبیاءوں
 میں سے ہی ایک کو واپس لایا جانا ضروری سمجھا گیا ہے۔ یہ باتیں مثبت ایزدی
 سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس لئے ان میں کوئی رے زنی نہیں کیجا سکتی۔

ہمارے دلوں میں شکوک و راصل اس لئے پیدا ہوتے ہیں۔ کہ ہم
 ہدایت قرآنی پر پوری طرح پابند نہیں ہیں۔ اگر ہم تمام احکام ربانی پر عمل
 کریں تو اس حالت کے نتائج ہی اعتراض کرنے والوں کو خاموش کر دیتے ہیں
 اور جیسا کہ مولانا محمود علی صاحب نے اپنے ایک اور مضمون میں تحریر فرمایا ہے۔

جتک مسلمان لفظ کان کم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ پر عمل عامل ہے۔ انہیں
 نہ خود کوئی تکلیف پیش آتی۔ اور نہ دوسروں پر اثر ڈالنے کے لئے کسی دشمن
 کا سامنا ہوا۔ اور جب قوم کی قوم ہی ایک رنگ میں رنگین ہو۔ تو ایسا منظر شکوک
 کو بجا بنا کر اڑا دیتا ہے۔ اور اعتراض کی گنجائش نہیں چھوڑتا۔ مگر انہوں
 جیسا کہ مولانا اپنی کتاب محمولہ ہلا میں تحریر فرماتے ہیں کہ سب سے بڑی ضرورت
 بلکہ زندگی کا واحد مقصد آجکل یہ قرار پایا ہے۔ کہ انسانی زندگی کی برساعت اور
 برتانیہ کے اندر تمام تر لوجہ اس مادی سامان کے مہیا کرنے۔ اس کو کام میں
 لانے اور اس کے نتائج سے لطف اٹھانے پر مبذول ہے۔ اور موجودہ زندگی
 کے بعد کوئی خیال اور اس کے لئے کسی عمل اور کسب کا کوئی ارادہ اور اس
 دنیا سے باہر کی مہنتی کیا تھ تعلق رکھنے کا کوئی وہم بھی دل میں نہ آنے پائے
 اور اپنی تمام کوششوں کا محور اس دنیا کو اور یہاں کی چپ دروزہ زندگی کو سمجھنا
 صحیح اصول کار ہے۔ یہ حالت کیوں پیش آئی۔

اس کا جواب بھی مولانا محمود علی صاحب کی ایک تحریر سے دیا جاتا ہے۔
 وہ لکھتے ہیں کہ قرآن کے پیش کر نیوے جو زبان سے کہتے ہیں وہ کر کے نہیں دکھلاتے
 اور وعظ و نصیحت میں فصاحت قرآنیہ پر انسانی طرز کلام کو ترجیح دیکر منطقی

موشگافیوں اور شاہانہ مبالغوں سے کام لیتے ہیں۔ اور رہنمائی سے زیادہ اپنے فضل و کمال کی نمائش چاہتے ہیں۔ حالانکہ اہل ایمان پر نہ بحث نہ مناظرہ فرض ہے نہ منطقیانہ موشگافیوں اور فلسفیانہ معرکہ آرائیوں کی ضرورت وہی روشنی ہدایت جو کلام الہی نے پیش کی ہے۔ اسی طریقہ ادا سے جو اس ہادی برحق نے اختیار کیا ہے۔ ہر عالم و جاہل تک پہنچا دینے کی ضرورت ہے۔ سب کا ہدایت پانا اور تمام مخلوق کا ایک راہ اختیار کرنا ممکن نہیں۔ ورنہ کلام الہی میں اب بھی وہی کشش ہے۔ اور قرآن کریم کے اندر جذب قلوب کا وہی اثر غافل انسانوں کو خواب غفلت سے جگانے والا اور تشنگان ہدایت کو شراب معرفت سے سیراب کرنے والا اگے۔ تو صرف قرآن کریم۔

اور اس کلام مبارک کا ایک ایک لفظ چشم بینا کو جو حیرت کرنے اور دل دانا کا دامن کھینچنے میں وہ تاثیر دکھاتا ہے جو آئینہ پر جمال پار اور پر کاہ پر کھربا۔

مدعا علیہ کی طرف سے اس بات پر بہت زور دیا گیا ہے۔ کہ علماء و ائمہ کی اندھی تقلید درست نہیں۔ یہ ٹھیک ہے۔ قرآن مجید میں ہر شخص کو خود بھی تدبیر کرنا چاہیے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمام قواعد و دیگر لوازمات کو جو معنی اخذ کرنے کیلئے ضروری ہیں۔ پس پشت ڈال کر اپنی سمجھ بچھڑنا شروع کر دیا جاوے۔ جیسا کہ خود مدعا علیہ کے اپنے گواہان کے طریقہ عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک تو آیت و بلاخبرۃ ہم یوقنون کے یہ معنی کرتا ہے کہ یوم آخرت پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ اور دوسرا آخرت کے معنی زمانہ آخر کی وحی بتلاتا ہے۔ ذرا احمدی صاحبان خود بھی تو سوچیں کہ انہوں نے دین کو کیا مذاق بنا رکھا ہے۔ اس بحث کے بعد اب اصل معاملہ متنازعہ کو طے کرنے کے لئے یہ بتلانا ہے کہ اسلام کے وہ کون سے بنیادی اصول ہیں کہ جن سے اقلات کرنے سے ارتداد واقع ہو جاتا ہے۔ یا یہ کہ کن اسلامی

عقائد کی پیروی نہ کرنے سے ایک شخص مرتد سمجھا جا سکتا ہے۔ اور کہ عقائد قادیانی سے ارتداد واقع ہوتا ہے یا نہ۔

اوپر کی تمام بحث سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ مسئلہ ختم نبوت اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ہے۔ اور کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بایں معنی نہ ملنے سے کہ آپ آخری نبی ہیں ارتداد واقع ہو جاتا ہے۔ اور کہ عقائد اسلامی کی رد سے ایک شخص کلمہ کفر کہہ کر بھی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ مدعا علیہ مرزا غلام احمد صاحب کو عقائد قادیانی کی رد سے نبی ماننا ہے۔ اور ان کی تسلیم کے مطابق یہ عقیدہ رکھنا ہے کہ امت محمدیہ میں قیامت تک سلسلہ نبوت جاری ہے۔ یعنی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبیین یعنی آخری نبی تسلیم نہیں کرتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی دوسرے شخص کو نبیا نبی تسلیم کرنے سے جو تباہیتیں لازم آتی ہیں۔ ان کی تفصیل ادھر بیان کی جا چکی ہے۔ اس لئے مدعا علیہ اس جماعی عقیدہ امت سے منکر ہونے کی وجہ سے مرتد سمجھا جاوے گا۔ اور اگر ارتداد کے معنی کسی مذہب کے اصولوں سے بکلی انحراف کے لئے جاوے تو بھی مدعا علیہ مرزا صاحب کو نبی ماننے سے ایک نئے مذہب کا پیرو سمجھا جائیگا۔ کیونکہ اس صورت میں اس کے لئے قرآن کی تفسیر اور معمول بہ مرزا صاحب کی وحی میں نہ کہ احادیث و اقوال فقہاء جن پر کہ اس وقت تک مذہب اسلام قائم چلا آیا ہے۔ اور جن میں سے بعض کے مستند ہونے کو خود مرزا صاحب نے بھی تسلیم کیا ہے۔

علاوہ ازیں احمدی مذہب میں بعض احکام ایسے ہیں کہ جو شرع محمدی پر مستتر ہیں۔ اور بعض اس کے خلاف ہیں مثلاً چند ماہواری کا دنیا جیسا کہ ادھر دکھلایا گیا ہے۔ زکوٰۃ پر ایک زائد حکم ہے اس طرح غیر احمدی کا جنازہ نہ پڑھنا کسی احمدی کی لڑکی غیر احمدی کو نکاح میں نہ دینا۔ کسی غیر احمدی کے پیچھے نماز نہ پڑھنا شرع محمدی کے خلاف اعمال ہیں۔

مدعا علیہ کی طرف سے ان امور کی توجیہیں بیان کی گئی ہیں۔ کہ وہ کیوں غیر
 احدی کا جنازہ نہیں پڑھتے۔ کیوں ان کو نکاح میں لڑکی نہیں دیتے۔ اور کیوں ان
 کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ لیکن یہ توجیہیں اس لئے کارآمد نہیں کہ یہ امور ان کے
 پیشواؤں کے احکام میں مذکور ہیں۔ اس لئے وہ ان کے نقطہ نگاہ سے تشریح
 کا جزو سمجھے جائیں گے۔ جو کسی صورت میں بھی شرع مجزی کے موافق تصور نہیں
 ہو سکتے۔ اس کے ساتھ جب یہ دیکھا جاوے کہ وہ تمام غیر احدی کو کافر سمجھتے ہیں۔
 تو ان کے مذہب کو مذہب اسلام سے ایک جدا مذہب قرار دینے میں کوئی
 شک نہیں رہتا۔ علاوہ ازیں مدعا علیہ کے گواہ مولوی جلال الدین شمس نے اپنے
 بیان میں سیدہ وغیرہ کا ذب مدعیان نبوت کے سلسلہ میں جو کچھ کہا ہے۔ اس سے
 یہ پایا جاتا ہے کہ گواہ مذکور کے نزدیک دعویٰ نبوت کا ذب ارتداد ہے۔ اور کا ذب ہی
 نبوت کو جو مان لے وہ مرتد سمجھا جاتا ہے

مدعیہ کی طرف سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب کا ذب مدعی نبوت ہیں۔
 اس لئے مدعا علیہ بھی مرزا صاحب کو نبی تسلیم کرنے سے مرتد قرار دیا جائے گا۔ لہذا
 ابتدائی تحقیقات جوہ۔ نومبر ۱۹۲۲ء عبسوی کو عدالت منصفی احمد پور شریف سے وضع
 کی گئی تھیں۔ بحق مدعیہ ثابت قرار دیا گیا کہ یہ قرار دیا جاتا ہے کہ مدعا علیہ قادیانی عقائد اختیار
 کرنے کی وجہ سے مرتد ہو چکا ہے۔ لہذا اس کے ساتھ مدعیہ کا نکاح تاریخ ارتداد مدعا
 علیہ سے فسخ ہو چکا ہے۔ اور اگر مدعا علیہ کے عقائد کو بحث مذکورہ بالا کی روشنی میں دیکھا
 جاوے تو بھی مدعا علیہ کے ادعا کے مطابق مدعیہ یہ ثابت کرنے میں کامیاب رہی ہے
 کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی امتی نبی نہیں ہو سکتا۔ اور کہ اس کے
 علاوہ جو دیگر عقائد مدعا علیہ نے اپنی طرف منسوب کئے ہیں۔ وہ گوام اسلامی عقائد کے مطابق
 ہیں۔ لیکن ان عقائد پر وہ اپنی معنوں میں عمل پیرا سمجھا جاوے گا۔ جو معنی مرزا صاحب
 نے بیان کئے ہیں۔ اور یہ معنی چونکہ ان معنوں کے مخالف ہیں جو جمہور امت آج تک
 لیتی آئی۔ اس لئے بھی وہ مسلمان نہیں سمجھا جا سکتا ہے۔ اور ہر دو صورتوں میں

وہ مرتد ہی ہے۔ اور مرتد کا نکاح چونکہ ارتداد سے فسخ ہو جاتا ہے۔ لہذا ڈگری بدیں
 مضمون بحق مدعیہ صادر کیجاتی ہے کہ وہ تاریخ ارتداد مدعا علیہ سے اس کی زوجہ نہیں
 رہی۔ مدعیہ نزعہ مقدمہ بھی ازاں مدعا علیہ لینے کی حقدار ہوگی۔
 اس ضمن میں مدعا علیہ کمیٹرنٹ سے ایک سوال یہ پیدا کیا گیا ہے کہ مرد و فریق
 چونکہ قرآن مجید کو کتاب اللہ سمجھتے ہیں۔ اور اہل کتاب کا نکاح جائز ہے اس
 لئے بھی مدعیہ کا نکاح نسخ قرار نہیں دینا چاہئے۔ اس کے متعلق مدعیہ کمیٹرنٹ سے
 یہ کہا گیا ہے کہ جب دونوں فریق ایک دوسرے کو مرتد سمجھتے ہیں تو ان کو اپنے
 اپنے عقائد کی رو سے بھی انکا باہمی نکاح قائم نہیں رہتا۔ علاوہ ازیں اہل کتاب
 عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ نہ کہ مردوں سے بھی۔ مدعیہ کے دعوے کے رو سے چونکہ
 مدعا علیہ مرتد ہو چکا ہے۔ اس لئے اہل کتاب ہونے کی حیثیت سے بھی اس کے ساتھ
 مدعیہ کا نکاح قائم نہیں رہ سکتا۔ مدعیہ کی یہ حجت وزن دار پائی جاتی ہے۔ لہذا اس
 بنا پر بھی وہ ڈگری پانے کی مستحق ہے۔

مدعا علیہ کمیٹرنٹ سے لے کر حق میں چند نفاذ بر قانونی کا بھی حوالہ دیا گیا تھا۔ ان
 میں سے پٹنہ اور پنجاب ہائی کورٹ کے فیصلہ جات کو عدالت عالیہ چیف کورٹ نے
 پہلے واقعات مقدمہ ہذا پر عادی نہیں سمجھا۔ اور مدعا اس ہائی کورٹ کے فیصلہ
 کو عدالت معلیٰ اجلاس خاص نے قابل پریدی قرار نہیں دیا۔ باقی عدالت عالیہ چیف
 کورٹ بہاولپور کا فیصلہ مقدمہ مسات جمدوڑی بنام کریم بخش اس کی کیفیت یہ ہے
 کہ یہ فیصلہ جناب مہتمم اور دھودا اس صاحب جج چیف کورٹ کے اجلاس سے
 صادر ہوا تھا۔ اور اس مقدمہ کا صاحب موصون نے مدعا اس ہائی کورٹ کے فیصلہ
 پر ہی انحصار رکھتے ہوئے فیصلہ فرمایا تھا۔ اور خود ان اختلافی مسائل پر جو فیصلہ
 مذکور میں درج تھے۔ کوئی محاکمہ نہیں فرمایا تھا۔ مقدمہ چونکہ بہت عرصے دایر تھا۔
 اس لئے صاحب موصون نے اسے زیادہ عرصہ معرض نقولق میں رکھنا پسند
 فرما کر بائبل فیصلہ مذکور اسے طے فرما دیا۔ دربار معالی نے چونکہ اس فیصلہ کو قابل

پابندی قرار نہیں دیا۔ جس فیصلہ کی بنا پر کہ وہ فیصلہ صادر ہوا۔ اس لئے فیصلہ
 زیر بحث بھی قابل پابندی نہیں رہتا۔
 شریفین میں سے مختار مدعیہ حاضر ہے۔ اسے حکم سنایا گیا۔ دعا علیہ
 کارروائی مقدمہ ہذا ختم ہونے کے بعد جبکہ مقدمہ زیر غور تھا۔ فوت ہو گیا ہے۔
 اس کے خلاف یہ حکم زیر آرڈر ۲۲۔ رول ۶۶ صالطہ دیوانی تصور ہوگا۔ پرچہ
 ڈگری مرتب کیا جائے اور مسل داخل دفتر ہو۔

۷۔ فروری ۱۹۳۵ء مطابق ۳۔ ذیقعدہ ۱۳۵۳ھ
 بمقام بہاولپور

دستخط

محمد اکبر ڈسٹرکٹ جج

ضلع بہاولنگر
 ریاست بہاول پور
 (بجروت انگریزی)

کتبہ :- مقبول احمد دھریچہ خان پوری
 ۱۳۔ فروری ۱۹۳۵ء مطابق ۹ محرم الحرام ۱۳۵۳ھ
 بمقام محلہ جبارک پورہ کوچہ نمبر ۹ بہاولپور



